بسم اللہ الرحمن الرحیم

بیادگار: حضور حافظ ملت علامہ شاہ الحاج عبد العزیز قدس سرہٗ بانی الجامعۃ الاشرفیہ

الجامعۃ الاشرفیہ کا دینی اور علمی ترجمان

ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور

زیر سرپرستی:

عزیز ملت حضرت علامہ شاہ الحاج عبد الحفیظ صاحب قبلہ

سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ

جمادی اولیٰ ۱۴۳۸ھ

فروری ۲۰۱۷ء

جلد نمبر ۴۱ شمارہ ۲

مجلس ادارت

مدیر اعلیٰ: مبارک حسین مصباحی

نائب مدیر: محمد طفیل احمد مصباحی

منیجر: محمد محبوب عزیزی

تزئین کار: مہتاب پیامی

مجلسِ مشاورت

مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی

مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی

مولانا محمد ادریس بستوی مصباحی

مولانا عبد المبین نعمانی مصباحی

قیمت عام شمارہ: 20 روپے

سالانہ: 200 روپے

سری لنکا، بنگلا دیش، پاکستان، سالانہ 500 روپے

دیگر بیرونی ممالک

20 $ امریکی ڈالر   15 £ پونڈ

THE ASHRAFIA MONTHLY

Mubarakpur. Azamgarh

(U.P.) India. 276404

کوڈ نمبر —— 05462

دفتر ماہنامہ اشرفیہ —— 250149

الجامعۃ الاشرفیہ —— 250092

دفتر اشرفیہ ممبئی فون/فیکس 23726122

ترسیل زر و مراسلت کا پتہ

دفتر ماہنامہ اشرفیہ، مبارکپور

اعظم گڑھ یو۔ پی۔ ۲۷۶۴۰۴

چیک اور ڈرافٹ

بنام

مدرسہ اشرفیہ

بنوائیں

نوٹ: آپ ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ انٹرنیٹ پر بھی پڑھ سکتے ہیں۔

http://www.aljamiatulashrafia.org   E.mail: ashrafiamonthly@gmail.com

مولانا محمد ادریس مصباحی نے نشاط آفسیٹ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ اشرفیہ مبارکپور، اعظم گڑھ سے شائع کیا۔

مشـــــــمـــــــولات

اداریـــــــــــہ	چند باتیں دین اور دنیا کی	مبارک حسین مصباحی	۳

------------- تدبرات -------------

اسلامی تدبر	اسلام میں باہمی معاشی تعاون	مولانا فہیم احمد ثقلینی ازہری	۹

------------- فقہیات -------------

آپ کے مسائل	کیا فرماتے ہیں.............	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۶

------------- نظریات -------------

فکـــــــرِ امروز	ہندوستان، فلسطین اور اسرائیل	محمد صابر رضا رہبر مصباحی	۱۸

------------- شخصیات -------------

بزمِ تصوف	مخدوم الاولیا سید علی حسین اشرفی میاں علیہ الرحمۃ	محمد نعیم انور عطاری	۲۱
انوارِ حیات	مفتیِ اعظم نیپال علامہ مفتی اشرف القادری علیہ الرحمۃ	مفتی محمد رضا قادری	۲۳

------------- عزیزیات -------------

یادیں	حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ اور اخلاص وللّٰہیت	محمد کلیم اشرف رضوی	۳۰

------------- بزمِ دانش -------------

فکر ونظر	فتاویٰ حافظِ ملت: ایک تاثراتی مطالعہ	مولانا زین العابدین اشرفی/مفتی محمد ساجد رضا مصباحی	۳۵

------------- ادبیات -------------

گوشۂ ادب	شاعرِ منقبت پروفیسر فاروق احمد صدیقی	مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی	۳۹
نقد ونظر	سالانہ مجلہ "باشیبان" کا شیخ الاسلام محمد مدنی اشرفی نمبر	تبصرہ نگار: مبارک حسین مصباحی	۴۵
خیابانِ حرم	نعتیں	کرامت علی خاں شہیدی/حضرت امیر مینائی/سید کفایت علی کافی مرادآبادی	۴۸

------------- وفیات -------------

سفرِ آخرت	مولانا نسیم رضا مصباحی کا وصال/مولانا سیف رضا بریلوی کا انتقال/مفتی اشرف القادری کی رحلت		۴۹

------------- مکتوبات -------------

صدایے بازگشت	محمد عرفان قادری/محمد کلیم اشرفی رضوی/محمد کامل رضا		۵۲

------------- سرگرمیاں -------------

خیر وخبر	سرکاہی شریف میں عرسِ تیغی/مالیگاؤں میں قبرستان کی حفاظت کے لیے احتجاجی اجلاس/دار العلوم غوثیہ محمدیہ کی تعلیمی سرگرمیاں/جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں محبوب الاولیا حضرت شاہ تیغ علی قادری سرکار سرکاہی شریف کا عرس		۵۴

ادار یہ

چند باتیں دین اور دنیا کی

مبارک حسین مصباحی

اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا نظام اپنی شانِ کبریائی کے مطابق رکھا ہے۔ اس نے سب سے پہلے اپنے محبوب ترین پیغمبر مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے نور کو اپنے ذاتی نور سے پیدا فرمایا اور پھر عرصۂ دراز کے بعد اپنے محبوب کے نور سے تمام مخلوقات کو پیدا فرمایا۔ ارشادِ رسولِ کریم ﷺ ہے:

فلما شاء الله ایجاد العالم خلق نور النبی ﷺ قبل جمیع الأشیاء ثم خلق من النور المحمدی علیه الصلاة والسلام کلّ شیءٍ الخ (مصنف عبد الرزاق، دلائل النبوة وغیره)

جب اللہ نے دنیا کی تخلیق کا ارادہ فرمایا تو اس نے ہر چیز سے پہلے نبیِ آخر الزماں ﷺ کے نور کو پیدا فرمایا، پھر اس نے ہر چیز کو نورِ محمد ﷺ سے پیدا فرمایا (یہ ایک طویل حدیث کا مختصر ہے)

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے اپنے حبیب ﷺ کو منصبِ نبوت سے سرفراز فرمایا، ارشادِ رسولِ کریم ﷺ ہے:

کنت نبیا و آدم بین الماء والتین.

میں اس وقت نبی تھا جب آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے درمیان تھے۔

خالقِ دوعالم نے حضرت آدم کی تخلیق سے پہلے فرشتوں کو پیدا فرمایا، جنات کی تخلیق فرمائی، زمین کا فرش بچھایا، آسمان کا شامیانہ لگایا، چھوٹے بڑے پہاڑ بنائے، سردی، گرمی اور برسات کا سلسلہ جاری فرمایا، گردشِ لیل و نہار کے نظام شروع فرمائے۔ بہاروں کے موسم بنائے، خزاؤں کے نظام کا آغاز فرمایا، فرشتے معصوم ہیں، اپنے خالق کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں، تسبیح و تہلیل میں لگے رہتے ہیں۔

پھر جب خالق جل مجدہ نے چاہا کہ سلسلۂ آدمیت کا آغاز ہو تو ارشادِ باری تعالیٰ ہوا:

اور (یاد کرو) جب تمھارے رب نے فرشتوں سے فرمایا: میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں، بولے: کیا ایسے کو (نائب) کرے گا جو اس میں فساد پھیلائے گا اور خونریزیاں کرے گا اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے اور تیری پاکی بولتے ہیں۔ فرمایا: مجھے معلوم ہے جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام (اشیا) کے نام سکھائے پھر سب (اشیا) کو ملائکہ پر پیش کر کے فرمایا سچے ہو تو ان کے نام تو بتاؤ۔ بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک تو ہی علم و حکمت والا ہے۔ فرمایا اے آدم بتا دے انہیں سب اشیا کے نام، جب اس (یعنی آدم) نے انہیں سب کے نام بتا دیئے، فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔ (البقرۃ، آیت ۳۰-تا-۳۳)

معلوم ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمائی، اس نے یہ بات فرشتوں کے سامنے پیش فرمائی تو انھوں نے اپنی فکر کے مطابق عرض کیا: اے پروردگار! تیری تسبیح و تکبیر ہم بیان کرتے ہیں، کیا تو اس مخلوق کو اپنا نائب بنانے والا ہے جو زمین میں فساد برپا کرے گی اور قتل و غارت گری کرے گی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام حقائق کو خوب جانتا تھا، انسانی تاریخ میں جو کچھ ہوا اور جو کچھ آج ہو رہا ہے، اس کو بھی ہم اور آپ تھوڑا بہت جانتے ہیں۔ ان کی بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا "اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" [البقرۃ، آیت: ۳۰] "بلاشبہ میں وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔" اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نائب اور خلیفہ کو تمام چیزوں کے نام بتائے اور ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش فرمایا کہ ذرا ان کے نام بتاؤ تو فرشتوں نے عرض کیا، ہمیں تو صرف اتنا معلوم ہے جتنا تو نے ہمیں سکھایا۔ ان کے بعد ان چیزوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش فرمایا اور حکم دیا کہ اے آدم انھیں ان تمام چیزوں کے نام بتا دو۔ جب حضرت آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام بتا دیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِۙ

فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی سب چھپی

وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾ (البقرۃ: آیت:۳۳) چیزیں اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا پس منظر اور منظر ہم نے من وعن قرآن عظیم کے ترجمہ کی شکل میں پیش کیا، ہم اور آپ خوب جانتے ہیں کہ فصاحت وبلاغت کے کتنے ہی گوہر لٹاتے جائیں مگر کلامِ الٰہی کے برابر نہیں ہوسکتے۔ ہم یہاں ترجمہ پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اس وقت آپ تاریخِ انسانی پر نظر ڈالیں اور آج کے عالمی حالات کا الیکٹرانک ذرائع سے مشاہدہ کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ انسانوں میں کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاے کرام اور رسولانِ عظام جلوہ گر ہوئے، جنھوں نے اپنے عہد میں احکامِ الٰہی کی روشنی میں انسانوں کی ہدایت ورہ نمائی کا فریضہ انجام دیا، مقدس صحابۂ کرام، تابعین، تبع تابعین، ائمۂ مجتہدین، سلسلہ قادریہ، سلسلہ چشتیہ، سلسلہ نقشبندیہ، سلسلہ سہروردیہ، سلسلہ شاذلیہ، لاکھوں لاکھ اولیاے کاملین اور علماے ربانیین پیدا ہوئے، آج بھی دنیا میں موجود ہیں، اور ان شاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے، اسی طرح بڑے بڑے تاجرین صالحین اور بڑے بڑے نیک عامۃ المسلمین بھی پیدا ہوئے۔ آج بھی دنیا میں بڑی تعداد میں ہیں اور ان شاء اللہ پیدا ہوتے رہیں گے۔

اب دوسری جانب دیکھیں کہ اس دنیا میں خداے بزرگ کے منکرین، کفار و مشرکین، عہدِ حاضر کے یہود و نصاریٰ، منافقین، اسلام دشمن دہشت گرد، انبیا اور اولیا کے دشمن، قتل وغارت گری کرنے والے ظالم، اسلامی شریعت کو اپنی مرضی کے مطابق بدلنے والے نام نہاد مولوی، جبر و تشدد اور خودکشی کرنے والے نام نہاد مجاہدین، شراب خوری اور زناکاری میں مبتلا رہنے والے گناہ گار، دین وسنیت سے مضحکہ خیزی کرنے والے خوں خوار۔ ان احوال کی روشنی میں ہم کلمہ گو لوگوں کی عام طور پر دو قسمیں کرسکتے ہیں۔ (۱) سچے پکے مسلمان (۲) بدعقیدہ نام نہاد مسلمان۔

اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

عن ابی هریرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الدنیا سجن المؤمن وجنة الکافر. (مشکوٰۃ المصابیح، باب الرقاق، الفصل الاول، ص:۴۳۹، مجلسِ برکات، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔“

محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی اس حدیث کی شرح میں رقم طراز ہیں:

”کیوں کہ [مومن] اس [دنیا] میں وہ محنت و مشقت میں ہوتا ہے یا یہ مراد ہے کہ آخرت کے مقابل دنیا اس پر تنگ ہے اور وہ فضاے ملکوتی میں اڑان چاہتا ہے۔

[کافر] اس کی لذتوں اور شہوات میں اس طرح مشغول رہتا ہے کہ اس سے باہر جانا پسند نہیں کرتا۔ بعض شارحین کے رائے یہ ہے کہ مومن کے لیے اس ثواب کے مقابل دنیا قید ہے جو اسے آخرت کے اعمال پر آمادہ کرتے ہیں اور کافر کے لیے جنت، اس عذاب کے مقابل ہے جو آخرت میں ہوگا۔ یعنی مومن اگرچہ یہاں ناز ونعمت پاتا ہے مگر یہ آخرت کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ کافر اس دنیا میں تکلیف دیکھتا ہے مگر اس کی آخرت کی تکلیف کے مقابل کوئی حقیقت نہیں۔“ (اشعۃ اللمعات، شرح مشکوٰۃ، ج:۶، ص:۲۴۵، جیلانی بک ڈپو، مٹیا محل، دہلی)

یہ ایک سچائی ہے کہ دنیا میں ہر انسان کو جزا اور سزا ملتی ہے، کافر و مشرک اگر اچھا کام کرتا ہے تو دنیا اور صرف دنیا میں اسے اپنے کیے کی جزا مل سکتی ہے، لیکن آخرت میں اس کے لیے کچھ بھی نہیں بچتا، بلکہ اس کے کفر و شرک اور بداعمالیوں کی دردناک سزا یقینی ہے اور مسلمان کو ان کے نیک اور اچھے کاموں کی جزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں تو بہار ہی بہار ہے اور جنت ہی جنت ہے۔ ہاں جو مسلمان گناہ کرتا ہے، اسے سزا مل سکتی ہے اور اگر شفاعتِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مل گئی اور اس کے مشائخ کرام اور علماے ربانیین کی عنایت ہوگئی تو ان شاء اللہ سیدھا جنت میں جائے گا۔

تین برس سے جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ہمیں مشکوٰۃ المصابیح پڑھانے کا شرف مل رہا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں درج ذیل مقدس حدیث ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک مقام پر تشریف لائے تو آپ نے کچھ حضرات کو ہنستے ہوئے ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے فرمایا: اگر آپ لذت ختم کرنے والی موت کا ذکر زیادہ کرتے تو آپ کو اس سے دور کردیتی جو میں دیکھ رہا ہوں۔ آپ لذت کو ختم کرنے والی موت کو خوب یاد کرو۔

اس لیے کہ قبر ہر دن یہ کہتی ہے: میں مسافری کا گھر ہوں، میں تنہائی کا گھر ہوں، میں مٹی کا گھر ہوں، میں کیڑوں کا گھر ہوں، جب کوئی بندۂ

مومن دفن کیا جاتا ہے تو اس سے کہتی ہے، آپ کو خوش آمدید، آپ اپنے گھر آئے، جو لوگ میری پیٹھ پر چلتے ہیں، آپ ان میں سب سے پیارے تھے، اب جب کہ میں آپ کی ہوں، آپ میرے پاس آئے ہیں، اب اپنے ساتھ میرا سلوک دیکھیں گے۔ راوی نے آقا ﷺ کا ارشاد نقل فرمایا: پھر قبر حد نظر کشادہ کر دی جاتی ہے اور جنت کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

آقا ﷺ نے فرمایا: پھر جب بدکار اور کافر بندہ کو دفن کیا جاتا ہے [تو قبر کہتی ہے] نہ تیرے لیے خوش آمدید ہے اور نہ تو اپنے گھر آیا، میری پشت پر چلنے والوں میں تو مجھے سب سے زیادہ ناپسند تھا، اب جب کہ میں تیری والی بنائی گئی اور تو میرے قریب آگیا، اب تو میرا رویہ اپنے ساتھ دیکھے گا۔

فرماتے ہیں: قبر سکڑ کر اسے لپیٹ لیتی ہے، اس کی پسلیاں اِدھر کی اُدھر ہو جاتی ہیں۔ راوی نے بیان کیا کہ آقا ﷺ نے اپنی انگلیاں ایک دوسرے میں داخل فرمائیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر ستر تلے ایسے سانپ مسلط کر دیے جاتے ہیں اگر ان میں سے ایک بھی زمین پر پھونک مار دے تو رہتی دنیا تک زمین کچھ نہ اگائے اور وہ (سانپ) اسے کاٹتے اور نوچتے رہیں گے یہاں تک کہ اسے روزِ حساب تک پہنچا دیا جائے گا۔

رسول اللہ ﷺ مزید فرماتے ہیں:

انما القبر روضة من رياض الجنة أو حفرة من حفر النار. — قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا۔

(رواه الترمذی، مشكوٰة المصابيح، باب البكاء والخوف، ص:٤٥٧، ٤٥٨، مجلس بركات، جامعه اشرفيه، مبارك پور)

رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس حدیث میں جنتیوں اور جہنمیوں کی مکمل صورت بیان فرمادی۔ اب اس کی روشنی میں ہم سب کو غور کرنا چاہیے کہ اس مختصر سی زندگی میں ہمیں کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیے۔ آقا ﷺ نے ایک موقع پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا:

”میرے پروردگار نے مجھے ۹ر چیزوں کا حکم فرمایا: خفیہ اور ظاہر میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، ناراضگی اور خوشی میں انصاف کی بات کرنا، امیری اور فقیری میں درمیانی روش اختیار کرنا اور یہ کہ میں اسے جوڑوں جو مجھ سے توڑے، اسے دوں جو مجھے محروم کرے، اور اسے معاف کروں جو مجھ پر ظلم کرے اور یہ کہ میری خاموشی فکر ہو، میرا بولنا ذکر ہو اور میرا دیکھنا عبرت ہو اور حکم دوں اچھائی کا اور کہا گیا کہ اچھی باتوں کا۔“

(رواه رزين بحواله مشكوٰة المصابيح، باب البكا والخوف، الفصل الثالث، ص:٤٥٨، مجلس بركات جامعه اشرفيه، مبارك پور)

انسان کی زندگی میں بولنے کی دو صورتیں ہیں، ایک سچ بولنا اور دوسری، جھوٹ بولنا۔ اخلاص و سچائی ایک بندۂ مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، وہ سچ بولتا ہے، اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی سچا لکھ دیا جاتا ہے اور سچائی اسے جنت کے راستے پر لے جاتی ہے، اس کے برخلاف حال جھوٹ بولنے والے کم نصیب کا ہے جو اسے جہنم کے سپرد کر دیتی ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سچ (ہمیشہ) نیکی کی راہ دکھاتا ہے اور نیکی جنت کی راہ دکھاتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے، یہاں تک کہ وہ صدیق (سچا) بن جاتا ہے اور جھوٹ بدی کا راستہ دکھاتا ہے اور بدی دوزخ میں لے جاتی ہے، آدمی جھوٹ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں جھوٹا ہی لکھ دیا جاتا ہے۔“

(بخاری شریف، باب قول الله تعالى: يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ [التوبة:١١٩] الرقم ٥٧٤٣)

اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنے کا ثواب بھی حیرت انگیز ہے۔ ایک بندۂ مومن کسی بندے سے محبت کرتا ہے، ظاہری طور پر اس سے بھی فائدہ ہوتا ہے، وہ بندہ اسی قدر فائدہ پہنچا سکتا ہے جتنا اس کے لیے ممکن ہوتا ہے، مگر یہاں محبت اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس کی بارگاہ سے ہر چیز کی توقع رکھنا چاہیے، جو اس کی شانِ کبریائی کے لائق ہے، اب اس سلسلے میں ذیل کی چند حدیثیں پڑھیے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا: میری عظمت کی خاطر ایک دوسرے سے محبت کرنے والے آج کہاں ہیں؟ میں انھیں اپنے سائے میں جگہ دوں، کیوں کہ آج میرے سائے کے علاوہ کوئی اور سایہ نہیں ہے۔

(مسلم شريف، كتاب: البر والصلة والآداب، باب: في فضل الحب في الله، ٤/ ١٩٨٨، الرقم: ٢٥٦٦)

حضرت ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ایک شخص اپنے بھائی سے ملنے کے لیے ایک دوسری بستی میں گیا، اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں ایک فرشتہ کو بھیج دیا، جب اس شخص کا اُس فرشتہ کے پاس سے گزر ہوا تو فرشتے نے پوچھا کہ: کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ اس شخص

نے کہا: اس بستی میں میرا ایک (دینی) بھائی ہے اس سے ملنے کا ارادہ ہے۔ فرشتہ نے پوچھا: کیا تمھارا اس پر کوئی احسان ہے جس کی تکمیل مقصود ہے؟ اس نے کہا: اس کے سوا اور کوئی بات نہیں کہ مجھے اس سے صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محبت ہے۔ تب اس فرشتے نے کہا کہ میں تمھارے پاس اللہ تعالیٰ کا پیغام لایا ہوں کہ جس طرح تم اس شخص کے لئے محض اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبت کرتا ہے۔

(مسلم شریف، کتاب: البر والصلة والآداب، باب: فی فضل الحب فی اللہ ٤/ ١٩٨٨، رقم ٢٥٦٧)

اس حدیث رسول کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ دنیا میں جو لوگ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دینی بھائیوں سے محبت کرتے ہیں وہ بہت خوش نصیب اور بلند رتبہ ہیں۔ محبت اور دلجوئی کا مطلب دل سے محبت کرنا تو ہے ہی، اگر اس مقصد کی تکمیل کے لیے دور تک جانا پڑے تو یہ اور زیادہ ثواب اور قرب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ آج کے دور میں تو آمد و رفت کے جدید وسائل ہیں، چند گھنٹوں میں انسان دیگر ممالک کا بھی سفر طے کر سکتا ہے۔ اگر ایک بندۂ مومن محض اللہ تعالیٰ کے لیے ایسا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے محبت کرتا ہے۔ اپنے خالق و مالک کی رضا و خوشنودی ایک انسان کے لیے عظیم ترین نعمت ہے۔ اسی طرح صوفیائے کرام نے بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت جنت کے حصول کے لیے نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشی کے لیے کرنا چاہیے۔ کسی مخلص بندے نے کیا خوب کہا ہے۔

جنت میں ڈال دے یا جہنم میں ڈال دے　　　جلوہ دکھا کے تو مری حسرت نکال دے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا خیال رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب بندہ میرا ذکر کرتا ہے میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (یعنی خفی) کرتا ہے تو میں بھی (اپنی شان کے لائق) اپنے دل میں اس کا ذکر کرتا ہوں، اور اگر وہ جماعت میں میرا ذکر (یعنی ذکر جلی) کرتا ہے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت (یعنی فرشتوں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف (اپنی شان کے لائق) دوڑ کر آتا ہوں۔ (متفق علیہ)

(بخاری شریف، کتاب: التوحید، باب: قول اللہ تعالیٰ: ویحذرکم نفسه. ٦/ ٢٦٩٤، الرقم: ٦٩٧)

بیان رسول کی روشنی میں اس ارشادِ الٰہی کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم سے بندہ دور نہیں ہوتا اور معاملہ صرف کرنے کرانے کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی نظر دل کے خیالات پر بھی رہتی ہے۔ بندہ ذکر خفی کرے یا جلی، اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا اس سے بہتر انداز سے ذکر فرماتا ہے اور یہی معاملہ اس کے قرب کا ہے کہ بندۂ مومن جتنا قریب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی شان کے مطابق اس سے قریب تر ہوتا ہے، اس لیے حالات جیسے بھی ہوں ایک بندۂ مومن کو اپنی تنہائی، نامرادی اور ناکامی کا تصور نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندے سے شہ رگ کے بھی قریب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوف سے رونے کا بیان بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے　　　قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (روز قیامت) اللہ تعالیٰ فرمائے گا، دوزخ میں سے ایسے شخص کو نکال دو جس نے ایک دن بھی مجھے یاد کیا، یا میرے خوف سے کبھی بھی وہ مجھ سے ڈرا۔ (رواہ الترمذی و حسنة فی السنن، کتاب: صفة جهنم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب: ماجاء انّ للنار نفسین، ٤/ ٧١، الرقم: ٢٥٩٤)

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا دو آنکھوں کو (دوزخ کی) آگ نہیں چھوئے گی: [ایک] وہ آنکھ جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے روئی اور [دوسری] وہ آنکھ جس نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دے کر رات گزاری۔ (اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: فضائل الجهاد عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، باب: ماجاء فی فضل الحرس فی سبیل اللہ، ٤/ ٩٢، الرقم: ١٦٣٩)

ان ارشادات کی روشنی میں یہ واضح ہو گیا کہ خشیت ربانی ایک بڑا انعامِ ربانی ہے، خوف الٰہی سے رونے والی آنکھیں مبارک ہیں کہ انھیں جہنم کی آگ بھی نہیں چھوئے گی، اسی طرح اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ سے اپنے اس بندے کو نکال لے گا جس نے ایک دن بھی اپنے خالق و مالک کو حقیقی طور پر یاد کیا یا زندگی میں ایک بار بھی خشیت الٰہی سے لرزاں اور ترساں ہوا ہو۔

قناعت اختیار کرنے اور لالچ سے بچنے کے تعلق سے بھی قرآن اور احادیث نبویہ میں بڑے فضائل و مناقب ہیں، ذیل میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمائیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امیری مال کی کثرت سے نہیں ہوتی بلکہ اصل امیری دل کا غنی ہونا

ہے۔(متفق علیہ)(اخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الرقاق ، باب: الغنی غنی النفس، ٥/ ٢٣٦، الرقم:٦٠٨١)

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اوپر والا (دینے والا) ہاتھ نیچے والے (لینے والے) کے ہاتھ سے بہتر ہے اور (صدقہ وخیرات کی) ابتدا اپنے اہل وعیال سے کرو اور بہترین صدقہ وہ ہے جس کے بعد استغنا قائم رہے اور جو سوال سے بچتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے سوال (کرنے) سے بچا لیتا ہے اور جو استغنا کرتا ہے اسے اللہ تعالیٰ غنی کر دیتا ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے، یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔(اخرجه البخاری فی الصحیح، کتاب: الزکاۃ، باب: لاصدقة الاعن ظھرغِنًی ، ٢/ ٥١٨، الرقم:١٣٦١)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ صبر وقناعت اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اصل دولت مال واسباب کی فراوانی نہیں بلکہ حقیقی دولت دل کا اس ظاہری دولت سے بے نیاز ہونا ہے، اپنی ذاتی غرض کے لیے دنیا کے دولت مندوں سے مانگنا غیر مناسب اور ذلت و رسوائی ہے، دوسروں کو دینے والا ہمیشہ بلند اور باعزت رہتا ہے، صدقہ وخیرات کا آغاز ہمیشہ اپنے اہل وعیال سے کرنا چاہیے۔

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص پر مفلسی آگئی اور اپنی مفلسی (دور کرنے کے لیے) لوگوں کے سامنے پیش کیا تو اس کی مفلسی دور نہیں ہوگی، اور جس شخص نے اپنی مفلسی اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کی تو اللہ تعالیٰ اسے جلد یا بدیر رزق عطا فرمائے گا۔ ترمذی شریف میں مروی یہ حدیث حسن اور صحیح ہے۔

(اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الزھد عن رسول الله ﷺ، باب: ما جاء فی الھم فی الدنیا و حبھا، ٤/ ٥٦٣، الرقم:٢٣٢٦)

ہم لوگ طرح طرح کی مشکلات میں گرفتار ہوتے ہیں، روتے اور چیختے ہیں، جان ومال اور عزت وآبرو کے لیے لوگوں سے جھوٹ، غیبت اور دغابازی کرتے ہیں۔ کچھ لوگ صحت اور تندرستی کے لیے بے چین رہتے ہیں اور کچھ حضرات اولاد کے لیے بھٹکتے رہتے ہیں، حالاں کہ ان تمام مشکلات کا حل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا اور استغفار ہے، دعا عبادت کا مغز ہے، ایک بندۂ مومن جب اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ اب یہ الگ چیز ہے کہ بندہ اپنی عقل اور استطاعت کے اعتبار سے اس نعمت کو دنیا ہی میں مانگتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ اگر یہ دولت اسے دنیا میں دے دی جائے تو وہ اس کے لیے مضر ہوگی، اس لیے اللہ تعالیٰ اس سے بہتر اس کے لیے آخرت میں قبول فرما لیتا ہے۔ کتنے ہی اللہ تعالیٰ کے بندے ہوں گے جو کل قیامت میں یہ آرزو کریں گے، اے کاش ہماری یہ دعا آخرت کے لیے قبول ہو جاتی تو زیادہ بہتر تھا، اب آیئے اس سلسلے میں چند حدیثیں نقل کرتے ہیں۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عین عبادت ہے، پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی:

وَ قَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِیْۤ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ؕ اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دٰخِرِیْنَ ۟ (غافر:٦٠)

اور تمھارے رب نے فرمایا ہے تم لوگ مجھ سے دعا کیا کرو میں ضرور قبول کروں گا، بیشک جو لوگ میری بندگی سے سرکشی کرتے ہیں وہ عنقریب دوزخ میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے۔

(اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: التفسیر عن رسول الله ﷺ، باب: و من سورة المومن، ٥/ ٣٧٤، الرقم: ٣٢٤٧)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا عبادت کا بھی مغز ہے۔

(اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الدعوات عن رسول الله ﷺ، باب: ماجاء فی فضل الدعاء، ٥/ ٤٥٦، الرقم:٣٣٧١)

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: دعا کے علاوہ کوئی چیز تقدیر کو رد نہیں کر سکتی اور نیکی کے علاوہ کوئی چیز عمر میں اضافہ نہیں کر سکتی۔

(اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: القدر عن رسول الله ﷺ، باب : ماجاء لا یرد القدر الا الدعاء، ٤/ ٤٤٨، الرقم:٢١٣٩)

ایک بندۂ مومن کو غور کرنا چاہیے کہ اس دنیا کی حیثیت کیا ہے، ایک انسان کی عمر ہی کتنی ہوتی ہے اور اسی کے لیے پریشان اور سرگرداں رہتا ہے، اسے ذرا گہری نگاہ سے سوچنا چاہیے کہ اس چند روزہ زندگی کو اللہ تعالیٰ کیوں عطا فرمایا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ۟ (الذٰریٰت:٥٦) اور میں نے جن اور آدمی اتنے ہی اسی لئے بنائے کہ میری بندگی کریں۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک بندۂ مومن مسلسل نماز، روزہ، حج اور زکاۃ میں مصروف رہے، بلکہ ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کو ہمارے لیے نمونۂ عمل بنایا ہے۔ اب دیکھیے ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پیدائش سے ظاہری موت تک کس طرح زندگی گزاری۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب:۲۱) بیشک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے۔

ہماری نبی ﷺ پیدا ہوئے، بچپن کی زندگی گزاری، آپ نے نوجوانی، جوانی اور عہدِ کہولت کی زندگی گزاری، ہمارے آقا ﷺ کی مکمل سیرت پر طائرانہ نگاہ ڈالیے، قدم قدم پر مقدس اسلام کی ترجمانی ملے گی، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنی مکمل زندگی گزاری، عہدِ شباب میں ۲۵ر برس کی عمر میں دو مرتبہ کی بیوہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح فرمایا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب بیوہ کا چہرہ دیکھنا منحوسیت کی علامت تصور کیا جاتا تھا، دنیا کے بعض علاقوں میں آج بھی یہ منحوس تصور پایا جاتا ہے۔ آپ نے انسانی غلامی کی زنجیریں توڑیں، عورتوں کے باندی بننے کا تصور ختم فرمایا۔ یہ الگ بات ہے کہ آج بھی بعض مسلمان یورپ اور ایشیا کے دنیا داروں کی ذہنی اور عملی غلامی کرنے کو سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں، بعض عورتیں آج بھی باندی بننے پر فخر کرتی ہیں۔ آقا ﷺ نے چوری، ڈکیتی، زنا کاری اور شراب خوری پر سخت پابندی فرمائی، مگر لاکھوں بار افسوس کہ آج بعض مسلمان بھی ان لعنتوں میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ اسی طرح آپ نے عقائد اور دیگر معاملات میں قیود و شرائط بیان فرمائے، مگر بہت سے نام نہاد مسلمان دہشت گردی، قتل و غارت گری، خود کش حملے کرتے ہیں اور آج جدید ذرائع سے وہ سب کچھ کر رہے ہیں، شریعتِ مطہرہ میں جن کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ آج جو ملکی اور عالمی سطح پر مسلمان پریشان ہیں اور اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے معاندین اسلام کے نشانے پر ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عقل و شعور اور دین و ایمان کی حقیقی سمجھ عطا فرمائے۔ آمین۔

اب ہم اپنی آخری بات کچھ قبر کے احوال کے تعلق سے عرض کریں گے، عام طور پر مشہور ہے کہ قبر میں تین سوالات کیے جاتے ہیں، بلاشبہ احادیثِ نبویہ میں یہ سوالات بھی وارد ہوئے ہیں۔ ما ربك؟ ما دينك؟ ما كنت تقول فی حق هذا الرجل؟ آپ کا رب کون ہے؟ آپ کا دین کیا ہے؟ آپ اس مقدس ہستی کے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں۔ ایک بندۂ مومن اگر ایمان و عمل کے اعتبار سے درست تھا تو ان شاء اللہ وہ ان تینوں سوالات کے جواب دے دے گا اور آج تک بھی دنیا کے مسلمان حق جواب دے کر خدا اور رسول ﷺ کی خوشنودی حاصل کرتے رہے ہیں۔ اور اگر کوئی بندہ گنہ گار ہے، بدعمل ہے تو وہ اپنے کیے کی سزا پاکر اور روزِ محشر دوزخ میں رہ کر جنت میں جائے گا۔ اور اگر اپنی خوش نصیبی سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی مل گئی تو ان شاء اللہ جنت میں بغیر سزا کے بھی چلا جائے گا، اس طرح اپنے الدین، مرشدِ گرامی اور اساتذۂ کرام کی خدمت مقبول ہوگئی یا زندگی کا کوئی عمل بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہوگیا تو اللہ تعالیٰ اسی کے طفیل اسے جنت میں روانہ فرمادے گا، خیر یہ ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔

کثیر احادیثِ نبویہ میں قبر کے اندر ایک سوال کا ذکرِ خیر ہے، یعنی رسول کریم ﷺ کے تعلق سے سوال کیا جائے گا، اس میں کسی قسم کی منافات نہیں، اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ سے وہی سچی محبت رکھے گا جو رب تعالیٰ کی ربوبیت کو مانتا ہوگا، اس کے عطا کردہ دینِ حنیف کو مانتا ہوگا اور اس کے احکام پر عمل کرتا ہوگا۔ اب ہم ذیل میں اس سے متعلق ایک حدیثِ پاک نقل کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب میت کو یا تم میں سے کسی کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کے پاس سیاہ رنگ کے نیلگوں آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں۔ ایک کا نام منکر اور دوسرے کا نام نکیر ہے۔ وہ دونوں اس میت سے پوچھتے ہیں تو اس عظیم ہستی رسولِ مکرم ﷺ کے بارے میں کیا کہتا تھا؟ وہ شخص وہی بات کہتا ہے جو دنیا میں کہا کرتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور بیشک حضور نبیِ اکرم ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ وہ کہتے ہیں، ہمیں معلوم تھا کہ تو یہی کہے گا پھر اس کی قبر کو لمبائی و چوڑائی، میں ستر ستر ہاتھ کشادہ کر دیا جاتا ہے اور نور سے بھر دیا جاتا ہے، پھر اس سے کہا جاتا ہے سو جا۔ وہ کہتا ہے میں واپس جاکر گھر والوں کو بتا آؤں۔ وہ کہتے ہیں نہیں دلھن کی طرح سو جا۔ جسے گھر والوں میں سے جو اسے محبوب ترین ہوتا ہے وہی اٹھاتا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ (روزِ محشر) اسے اس کی خواہ گاہ سے (اسی حال) میں اٹھائے گا۔

اور اگر وہ شخص منافق ہو تو کہے گا: میں نے ایسا ہی کہا جیسا میں لوگوں کو کہتے ہوئے سنا، میں نہیں جانتا وہ صحیح تھا یا غلط) پھر وہ دونوں فرشتے کہیں گے، ہم جانتے تھے کہ تم ایسا ہی کہو گے، پھر زمین سے کہا جائے گا کہ اس پر مل جا بس وہ اس پر اکٹھی ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ اس کی پسلیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں گی وہ مسلسل عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے اسی حالت میں اسی جگہ سے اٹھائے گا۔

(اخرجه الترمذی فی السنن، کتاب: الجنائز، باب: ماجاء فی عذاب القبر، ۳/ ۳۸۳، الرقم: ۱۰۷۱)

یہ چند صفحات ہم نے انتہائی اختصار کے ساتھ سپردِ قلم کیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور قارئین کو اپنے حبیب ﷺ کے طفیل راہِ نجات عطا فرمائے، اور ہمیں اپنے پیارے حبیب ﷺ کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاه حبيبه سيد المرسلين عليه الصلاة والتسليم. ☆☆☆

اسلام میں باہمی معاشی تعاون

فہیم احمد ثقلینی ازہری

اسلام بنی نوع کے لیے اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ یہ تمام کا تمام حق ہے اور اسے اللہ بزرگ و برتر کے پسندیدہ دین ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ یہ طریقہ حیات اپنے اندر مکمل ضابطۂ حیات اور ہر شعبۂ زندگی کے جامع و واضح اور قابل عمل قواعد و ضوابط لیے ہوئے ہے۔ یہ ایک طرف عقائد و عبادات کی نشاندہی کرتا ہے تو دوسری طرف معاملات کے شعبہ میں مکمل ہدایات فراہم کرتا ہے۔ معاملات کے شعبہ میں اقتصادیات کا شعبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی لیے اسلام نے اس شعبہ سے صرفِ نظر نہیں کیا بلکہ معاشیات میں اس کے بنیادی تصورات و اصول دوسرے معاشی نظاموں سے مختلف ہیں۔ یہ افراط و تفریط کو رد کرتے ہوئے اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے۔ یہ انسان کی مادی فلاح کا علمبردار ہے مگر انسان کو معاشی حیوان نہیں بناتا بلکہ اس کے فطری اعزاز ''اَحْسَنِ تَقْوِیْم'' اور ''لَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ'' کا تاج کرامت پہنا کر معاشی جد و جہد میں حصہ لینے کی تلقین کرتا ہے۔ اسے ایک طرف صاحبِ ایمان بنا کر اقتصادی جد و جہد میں حصہ لے کر معاشی انسان دیکھنا چاہتا ہے، یعنی ایسا شخص جو کسبِ دولت کے حلال ذرائع کو تلاش کرے۔ ان سے استفادہ کر کے پھر ان وسائل سے حاصل کردہ فوائد و ثمرات کو دینِ اسلام کی روشنی میں منشائے خداوندی اور ہدایات نبوی کے تحت عمل میں لائے۔

مندرجہ بالا حقائق اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ اسلامی معاشیات کا مطالعہ کیا جائے۔ ان کے علاوہ معاشیات کی دنیا میں اسلامی نقطۂ نظر بھی جاننا ضروری ہے تاکہ حقیقت اور صحیح سمت معلوم ہو۔

اصل موضوع کی طرف آنے سے پہلے معاش اور معاشیات کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق ملاحظہ فرمائیں۔ معاش عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کا مادہ ''عاش'' ہے جس کے معنی زندہ رہنے کے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ ''عیش'' (ع ی ش) ہے، جس کے معنی خوراک رزق اور گزران کے ہیں۔ امام ابن منظور افریقی (۶۳۰-۷۱۱ھ) اپنی لغت کی معروف کتاب ''لسان العرب ۶/۳۲۱'' میں ''العیش'' کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اَلْعَیْشُ: الحیاۃ، عاش یعیش عیشا و عیشۃ والمعیشۃ: مایعیش بہ''

العیش کا معنی زندگی ہے۔ یہ عَاشَ یَعِیْشُ عِیْشًا اور عِیْشَۃً سے بنا ہے اور معیشت سے مراد وہ ذرائع ہیں جن سے زندگی بسر کی جا سکے۔

امام ابو طاہر فیروزآبادی (۷۲۹-۸۱۷ھ) اپنی لغت کی کتاب ''القاموس المحیط ۱/۲۹'' میں لکھتے ہیں:

''اَلْمَعِیْشَۃُ التی تعیش بہا من المطعم والمشرب وماتکون بہ الحیاۃ ومایعاش بہ''

معیشت سے مراد کھانے پینے کے وہ ذرائع ہیں جن پر زندگی کا دار و مدار ہوتا ہے اور جن سے زندگی بسر کی جاتی ہے۔ معاشیات، اقتصادیات اور اکنامکس یہ سب مترادفات ہیں۔ لفظ معاشیات کے لغوی معنی زندگی اور سامانِ زیست کے ہیں۔

امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

''العیش: الحیاۃ المختصۃ بالحیوان وھو أخص من الحیاۃ لان الحیاۃ تقال فی الحیوان، وفی الباری تعالیٰ، وفی الملك، و یشتق منہ المعیشۃ لما یتعیش منہ''

العیش اس زندگی کو کہتے ہیں جو حیوانات کے ساتھ خاص ہے اور یہ لفظ ''الحیاۃ'' کے مقابلہ میں خاص ہے کیوں کہ الحیاۃ کا لفظ حیوان، باری تعالیٰ اور ملائکہ سب کے لیے استعمال ہوتا ہے اور العیش سے لفظ المعیشۃ ہے جس کے معنی سامان زیست، کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں جن پر زندگی بسر کی جاتی ہے۔

معاشیات کو انگریزی زبان میں ''Economics'' (اکنامکس) کہتے ہیں۔ معاشیات کا اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ علم معاشیات وہ علم ہے جس میں انسان کے اس خاص طرزِ عمل کا مطالعہ کیا جاتا ہے جو محدود ذرائع کی مدد سے لامحدود خواہشات کی تکمیل کے لیے اختیار کیا جاتا ہے۔

اقتصادیات- الاقتصاد، قصد سے نکلا ہے اور قصد قصدا سے ہے، جس کے معنی کسی معاملے میں اعتدال و میانہ روی اختیار کرنا ہے۔ امام راغب اصفہانی (متوفی ۵۰۲ھ) لکھتے ہیں:

''القصد: الاستقامۃ الطریق، یقال: قصدت قصدہ أی نحوت نحوہ ومنہ الاقتصاد''

القصد کے معنی راستہ کا سیدھا ہونا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ قصدت

استاذ جامعۃ الثقلین، قصبہ کمرالہ ضلع بدایوں شریف۔ ای میل: faheem.azhari888@gmail.com

قصدہٗ یعنی میں نے اس کا قصد کیا اور سیدھا اس کی طرف گیا اور قصد سے ہی اقتصاد ہے۔

النہایۃ میں ہے:"القصد من الامور والمعتدل الذی لا یمیل الی احد طرفی التفریط والافراط"

قصد ان معتدل امور میں سے ہے جو کسی بھی افراط و تفریط کی حد سے نہ بڑھے۔ دورِ جدید میں اقتصادیات سے مالی اور معاشی امور مراد لیے جاتے ہیں لہٰذا اصطلاحاً اقتصادیات سے مراد وہ علم ہوگا جس میں دولت کی پیدائش اور تقسیم سے بحث کی جاتی ہے۔

اقتصادیات یا معاشیات کی اصطلاح اگرچہ بہت بعد میں متعارف ہوئی لیکن اوائل دور سے ہی مسلم مفکرین نے اپنی کتب میں معاشی موضوعات پر بحث کی ہے۔

امام ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) نے اپنی کتابوں میں اقتصادی موضوعات پر بھی بحث کی ہے۔ مال چونکہ اقتصادیات میں بڑی اہمیت کا حامل ہے اسی صفت کو سامنے رکھتے ہوئے انھوں نے مال کو اقتصادیات کی بنیاد قرار دیا ہے۔ امام ماوردی نے نزدیک اموال کے احکام جاننے کا نام اقتصادیات و معاشیات ہے۔

امام محمد غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) اپنی شہرۂ آفاق تصنیف "کیمیائے سعادت" میں معاشیات کی تشریح و توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دنیا میں رہنا بغیر کھائے پیئے ناممکن ہے تو یہاں رہ کر کمانا ضروری اور لازمی ہے۔ لہٰذا کمانے کے صحیح طریقوں کو جاننا ضروری ہے۔

علامہ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) معاشیات کی تعریف درج ذیل الفاظ سے کرتے ہیں:"ان المعاش هو عبارة عن ابتغاء الرزق والسعی فی تحصیله"

معاش رزق ڈھونڈنے اور اسے حاصل کرنے کے لیے کی جانے والی جدوجہد کا نام ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی کتاب "حجة الله البالغه" میں علم معیشت کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:"هوالحکمة الباحثة عن کیفیة اقامة المعادلات والمعاونات والاکساب علی ارتفاق الثانی"

ارتفاق ثانی کے باب میں افراد معاشرہ کے اشیاء کے باہمی تبادلہ ایک دوسرے سے معاشی تعاون اور ذرائع معیشت و آمدن کی حکمت سے بحث کرنے کا نام علم معیشت ہے۔

معاشیات کا آغاز و ارتقا-اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ سے ہمارے گردو پیش میں پھیلی ہوئی وسیع و عریض کائنات تخلیق کی ہے۔ اس کی ہواؤں، فضاؤں، سمندروں اور زمینوں کو وسائل و حیات سے مامور کر دیا اور ان سے اپنی ان گنت مخلوقات کی رزق رسانی کا اہتمام فرمایا اور اسی نے اپنی تخلیق کے شاہکار انسان کو احسن تقویم پیدا کیا اور پھر اسے قلت و کمیابی سے دوچار کر دیا اور کائنات کی ہر چیز کو اس کے لیے مسخر کر دیا اور اسے اس کی فیض رسانی میں لگا دیا۔ لہٰذا انسان کا معاشی مسئلہ روئے زمین پر اس کی تخلیق کے ساتھ ہی وجود میں آگیا اور پھر انسانی ترقی کے ساتھ ساتھ معاشی مسئلہ بھی ارتقائی منزلیں طے کرتا گیا۔

معیشت فطری ضرورت ہے-انسان کی تخلیق کا مقصد کچھ بھی ہو لیکن یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ وہ اپنی پیدائش کے دن سے ہی خواہشات اور حاجات میں گھرا ہوا ہے اور تا دم زیست ان سے چھٹکارا حاصل نہیں کر پائے گا۔ جس دن سے انسان نے اس دھرتی پر قدم رکھا ہے اسی دن سے بھوک مٹانے اور پیاس بجھانے کے لیے اشیائے خورد و نوش کی تلاش میں سرگراں ہے۔ اسی تلاشِ رزق کا نام معیشت ہے۔

انسان کی معاشی جدوجہد کا آغاز-ابتدا میں انسان نے غاروں کو اپنا مسکن بنایا، جنگلی جانوروں کے شکار نیز جڑی بوٹیوں، درختوں کے پتوں اور پھلوں سے اپنے پیٹ کی آگ بجھائی، پھر آبادی آہستہ آہستہ بڑھی تو دریاؤں اور چراگاہوں میں خیمہ زن ہوا۔ اور پھر جانوروں کے پیچھے بھاگنے کی بجائے انھیں پال کر ان سے گوشت، دودھ اور کھالیں حاصل کرتا رہا۔ پھر دیہات کی بنیاد پڑی، پیشوں کی تقسیم ہوئی، کھڈیوں اور دستکاری کا دور آیا اور پھر شہر آباد ہوئے۔

قرآن مجید میں بنیادی معاشی اصطلاحات کا بیان:

۱۔ معیشت کا ذکر:- قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا معیشت کا ذکر فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے:-

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا وَّ نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی (سورہ طٰہٰ:۱۲۴)۔

اور جس نے میرے ذکر یعنی میری یاد اور نصیحت سے روگردانی کی تو اس کے لیے دنیاوی معاش بھی تنگ کر دیا جائے گا اور ہم اسے قیامت کے دن بھی اندھا اٹھائیں گے۔

۲۔ رزق کی کفالت:- رزق کی بنیادی اور حقیقی کفالت اللہ رب العزت کے ذمہ کرم پر ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (سورہ ھود:۶)

اور زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی جاندار نہیں ہے مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ کے ذمۂ کرم پر ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِی الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ.

(سورہ اعراف:۱۰)

اور بیشک ہم نے تم کو زمین میں تمکن و تصرف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمھارے لیے اسباب معیشت پیدا کیے۔

ایک اور آیت میں رب تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِیْهَا مَعَایِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِیْنَ.

(سورہ الحجر:۲۰)

اور ہم نے اس میں تمھارے لیے اسباب معیشت پیدا کیے اور ان انسانوں، جانوروں اور پرندوں کے لیے بھی جنھیں تم رزق مہیا نہیں کرتے۔

۳۔ درجات معیشت:- اللہ رب العزت نے اپنی حکمت بالغہ سے درجات معیشت بھی متفاوت مقرر کر رکھے ہیں:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَیْنَهُمْ مَعِیْشَتَهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِیًّا. (سورہ الزخرف:۳۲)

ہم انسانوں کے درمیان دنیوی زندگی میں ان کے اسباب معیشت کو تقسیم کرتے ہیں اور ہم ہی ان میں سے بعض کو بعض پر وسائل و دولت میں درجات کی فوقیت دیتے ہیں۔ کیا ہم یہ اس لیے کرتے ہیں کہ ان میں بعض جو امیر ہیں وہ بعض غریبوں کا مذاق اڑائیں۔ اس آیت کریمہ میں حسبِ ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے:

ا۔ دنیوی زندگی کا دار و مدار اسباب معیشت پر ہے۔

۲۔ یہ وسائل افراد و قوم میں تقسیم کرنے والی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ہر کسی کو اسی کی حکمت وحکم کے مطابق رزق ملتا ہے۔

۳۔ یہ وسائل معیشت اللہ تعالیٰ نے افراد و قوم میں یکساں تقسیم نہیں کیے بلکہ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ عطا کیا ہے۔

۴۔ اس عدم مساوات میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ سب ایک دوسرے سے خدمت لیں، ایک دوسرے کے محتاج بھی ہوں اور معاون بھی ہوں۔ سماج و معاشرہ بالترتیب اور اعتدال سے چل سکے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْیَةٍ بَطِرَتْ مَعِیْشَتَهَا فَتِلْكَ مَسٰكِنُهُمْ، لَمْ تُسْكَنْ مِنْ بَعْدِهِمْ اِلَّا قَلِیْلًا، وَكُنَّا نَحْنُ الْوٰرِثِیْنَ. (سورۃ القصص:۵۸)

اور ہم نے کتنی ہی ایسی بستیوں کو برباد کر ڈالا جو اپنی خوش حال معیشت پر غرور و ناشکری کر رہی تھیں تو یہ ان کے تباہ شدہ مکانات ہیں جو ان کے بعد کبھی آباد ہی نہیں ہوئے مگر بہت کم، اور آخر کار ہم ہی وارث و مالک ہیں۔

اس آیت کریمہ میں معیشت کی خوشحالی پر غرور کرنے والوں اور کثرت رزق و دولت پر اترانے والوں کے لیے وعید سنائی گئی ہے۔ معلوم ہوا کہ مال و دولت پر گھمنڈ کرنا تباہی و بربادی کی دلیل ہے۔

۴۔ معاشی عدل:- اسلام ہمیں زندگی کے تمام پہلوؤں میں عدل سے کام لینے کی تعلیم دیتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی. (سورہ المائدہ:۸)

اے لوگو! عدل کیا کرو اس لیے کہ وہ پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَیٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْیَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ. (سورہ ھود:۸۵)

اور اے میری قوم! تم ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پورے کیا کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دیا کرو اور فساد کرنے والے بن کر ملک میں تباہی مت مچاتے پھرو۔

مسائل معیشت میں بخل اور حب مال، ارتکاز کی ممانعت، فضول خرچی سے پرہیز، اعتدال پسندی، حرمت سود، انفاق اور عفو و درگزر، تلاش رزق، رزق، حلال حرام کی ممانعت، کفالت یتامیٰ و مساکین، ممانعت ہلاکت اور انفاق و احسان، خوف رزق کے باعث قتل اولاد کی ممانعت، مختلف طبقات زندگی کے مابین تفاوت کا خاتمہ، تلاش ذرائعِ دولت و ثروت کا وجوب، صاحب استطاعت پر کسب رزق کا وجوب، مال باعث قیام زندگی اور اسلامی معاشی اور اسلامی اخلاق کا باہم لزوم وغیرہ سے قرآن مجید معاشرے میں اعتدال اور توازن قائم کر کے طبقاتی کشمکش کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دینا چاہتا ہے اس لیے نیکی کے تصور کو محرومیوں کی آگ میں جلتے ہوئے لوگوں کی حالت سنوارنے سے مشروط کر دیا گیا۔ چند ہاتھوں میں وسائل قدرت کا ارتکاز تمام سماجی برائیوں کی جڑ ہے اور اسلامی تعلیمات میں اس جڑ کو کاٹنے پر زور دیا گیا ہے۔

ایک حقیقی اسلامی معاشرہ کے لیے ان خصوصیات کا حامل ہونا ناگزیر ہے کہ اس میں سب اہل ایمان باہم ایک دوسرے کے جان و مال اور عزت و آبرو کے محافظ بن جائیں اور جمہوری اقدار کی پاسداری کرنے والی حکومت بلا امتیاز ہر فرد معاشرہ کو روزگار، علاج معالجہ، صحت، تعلیم و تربیت اور بنیادی ضرورتوں کی فراہمی یقینی بنائے، اس اسلامی معاشرے میں قانون کی حاکمیت (Rule of Law) کا دور دورہ ہو اور اس کا بنیادی ڈھانچہ اجتماعی عدل اور احسان کے غیر متبدل اصولوں پر استوار ہو۔ ربا اور تمام سودی لین دین بیک جنبش قلم موقوف کر دیے جائیں اور بلا سود بینکاری کو ہر سطح پر بلا تاخیر رائج کیا جائے تاکہ معاشی ناہمواریوں پر مبنی استحصال کی تمام صورتوں کا خاتمہ ممکن ہو اور سماج و معاشرہ خوشحال بن سکے اور مضبوط طریقے سے عوام زندگی بسر کر سکیں۔

احادیث نبوی میں بنیادی معاشی اصطلاحات کا بیان:

جس طرح قرآن مجید میں جگہ جگہ معاشیات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی طرح احادیث نبوی میں بھی معاشیات کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں اقتصادی اعتدال کے تحت فرمان رسالت ہے: "اَلْاِقْتِصَادُ فِی النَّفَقَةِ نِصْفُ الْمَعِیْشَةِ" خرچ میں اعتدال آدھی معیشت ہے۔

(طبرانی المعجم الاوسط رقم الحدیث: ۲۷۴۴)

دوسری جگہ ارشاد رسالت ہے:

"مَاعَالَ مَنِ اقْتَصَدَ" (طبرانی المعجم الکبیر رقم الحدیث: ۱۰۱۱۸)

جس نے اخراجات میں میانہ روی اختیار کی وہ محتاج نہیں ہوگا۔

وسائل میں سوسائٹی کی شراکت اور اجتماعی کفالت کے تعلق سے ماہر معاشیات عالم معلم انسانیت سیدی مصطفی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم ارشاد فرماتے ہیں: "طعام الواحد یکفی الاثنین وطعام الاثنین یکفی الاربعة و طعام الاربعة یکفی الثمانية"

(الصحیح المسلم رقم الحدیث: ۲۰۵۹)

ایک آدمی کا کھانا دو آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے، دو آدمیوں کا کھانا چار کے لیے کافی ہوتا ہے اور چار آدمیوں کا کھانا آٹھ آدمیوں کے لیے کافی ہوتا ہے۔

اس کے علاوہ حرمت مال اور احترام ملکیت، گداگری کی مذمت، بہترین کمائی، مال ضائع کرنے کی ممانعت، غربت کا نتیجہ اور قناعت کے عنوانات پر احادیث رسول میں کثرت سے روشنی ڈالی گئی ہے اور یہ تاکید و نصیحت کی گئی ہے کہ اگر ان اصولوں پر عمل پیرا ہوگئے تو کامیاب اور خوشحال معاشرہ ہوگا اور معاشی و اقتصادی صورت حال مزید بہتر ہوگی۔

عہد خلافت راشدہ میں خلفاے راشدین نے کتاب و سنت کی روشنی میں علم معاشیات کو اسلامی تناظر میں اپنایا اور اس کو عملی صورت میں نافذ کر دکھایا۔ خلفائے راشدین نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں مندرجہ ذیل میدانوں میں عملی طور پر کام کر کے معاشیات اسلام کو آگے بڑھایا اور اقتصادی اعتبار سے مسلمانوں کو مضبوط کیا۔ مثلاً انکار زکوٰۃ پر جہاد، زرعی پیداوار میں معاشی حقوق، بیت المال سے حکمران کا مشاہرہ، کسب معیشت کی تدابیر، غریبوں کی بحالی عزت اور ترغیب محنت، زائد دولت میں محتاجوں کا حق، معاشی کفالت میں معاشرتی ضمانت، اجتماعی معاشی تعاون، فرضیت ادائیگی زکوٰۃ، جبری محنت کی ممانعت، حکام و عمال کے لیے اقتصادی احکامات، ٹیکس اور زرعی محصولات، تاجروں اور صنعت کے لیے ہدایات وغیرہ پر صحابہ کرام نے عملی طور پر کام کر کے مسلمانوں کو مالی، معاشی اور اقتصادی اعتبار سے مضبوط کیا۔

اسلام نے معاشی حوالے سے جو اپنی اصلاحات متعارف کرائیں ان کا کوئی ثانی اور نظیر نہیں ہے۔ اسلام کی معاشی اصلاحات ہر زمانے اور دور میں عمل پذیر رہی ہیں۔ جس طرح عہد خلافت راشدہ میں معاشیات کے اعتبار سے اسلام مضبوط ہوا۔ اسی طرح دور بنوامیہ میں بھی اموی عمال کی مالی پالیسی، عمومی بہبود پر خرچ کرنے کی تلقین، معاشی معاملات میں ایمانداری، چنگی و محصولات اور حلال و حرام کی تمیز سے معاشیات اسلام کو تقویت ملی۔

اسی طرح دور بنی عباس میں بھی حکومتی سطح پر بچت کی معیشت، طلب حلال کی ترغیب، صدقہ کرنے کی حوصلہ افزائی، اسراف سے پرہیز، اسلامی معاشی علوم کی ترویج و اشاعت، دفینوں کی حوصلہ شکنی، بچت کی حوصلہ افزائی کے ذریعہ اقتصادیات اسلام کو مضبوط کیا گیا۔ یہی دور بنی عباس وہ مسعود دور ہے جس میں ائمہ اربعہ نے فقہ اسلامی کو مدون کیا اور معاشی معاملات مثلاً تجارت خرید و فروخت، خراج، عشر، زکوٰۃ اور مزارعت وغیرہ کے قوانین قرآن و حدیث کی روشنی میں مرتب کیے ہیں۔ لہٰذا اسلامی تاریخ میں معاشی علم کے فروغ کے لیے یہ دور بنی عباس بڑی اہمیت کا حامل ہے۔

ابتدائی مسلم مفکرین اور معاشیات پر ان کی کتابیں:

مسلم مفکرین نے معاشیات کے حوالے سے جو کام کیا ہے اس کو تاریخ اسلام کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ مسلم مفکرین نے اپنی کتب میں معاشیات کو تین ناموں سے ذکر کیا ہے: (۱) تدبیر منزل (۲) سیاست مدن (۳) المعیشت

معاشیات میں جن مسلم مفکرین نے کلیدی رول ادا کیا ہے ان میں ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ، امام مالک بن انس اصبحی متوفی ۱۷۹ھ، امام محمد بن ادریس شافعی متوفی ۲۰۴ھ اور امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ کے نام سرفہرست ہیں۔

مسلم مفکرین نے علم معاشیات کی طرف توجہ دی اور معاشی موضوعات پر بہت سی کتابیں تحریر کیں۔ یہ کتابیں دو طرح کی ہیں، اول وہ کتب جو صرف معاشیات پر لکھی گئی ہیں، دوسرے یہ کہ وہ کتابیں جو مذہبی، اخلاقی، سیاسی اور قانونی موضوعات پر ہیں اور ان میں معاشی امور پر ضمناً ابواب مشتمل ہیں۔ پہلی قسم کی کتابوں میں خاص معاشی موضوعات پر بحث کی گئی ہے مثلاً محاصل، زراعت، صنعت، کامرس اور زر مبادلہ وغیرہ۔

۱۔ علم معاشیات پر مسلم مفکرین نے جو کتب تصنیف فرمائیں ان میں سب سے قدیم اور مشہور ترین کتاب امام ابویوسف کی "کتاب الخراج" ہے جس کا ترجمہ بہت سی یورپی اور مشرقی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ یہ کتاب مختلف اقسام کے ٹیکسوں پر مشتمل ہے مثلاً: (۱) ٹیکسوں کی قسمیں، (۲) ٹیکس عائد کرنے اور اس کی وصولی کے اصول، (۳) ٹیکسوں کی وصولی کی تقسیم، (۴) سامان تجارت اور زرعی زمینوں پر ٹیکس، (۵) محصول ترکہ، (۶) محصول چنگی، (۷) نئے علاقوں میں زرعی رقبوں کا انتظام، (۸) زرعی زمینداریاں، ان کی کاشت اور تقسیم، (۹) لگان کی شرائط، (۱۰) پانی کی فراہمی سے متعلقہ

مسائل،(۱۱) ماہی گیری، (۱۲) جنگلات اور چراگاہیں۔

۲۔علم معاشیات میں علامہ یحییٰ بن آدم القرشی (متوفی ۲۰۳ھ) کی تصنیف "کتاب الخراج" بھی اپنی طرز پر منفرد اور اہم ہے۔ اس میں مصنف نے ایک سو تہتر (۱۷۳) عنوانات کے تحت خراج یعنی ٹیکس کے مختلف مسائل سے متعلق احادیث و آثار کو اپنی سند کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ ان آثار و روایات پر فقیہانہ غور و فکر کے بعد استنباط و اجتہاد سے کام لیا ہے۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں معاشیات اور معیشت سے متعلقہ دینی امور پر وضاحت کے ساتھ بحث کی ہے۔

۳۔ امام ابوعبید القاسم بن سلام (متوفی ۲۲۴ھ) کی تصنیف بھی اسلامی معاشیات کا ایک بیش بہا خزانہ ہے۔ یہ چار ضخیم اجزاء پر مشتمل ہے۔ جن میں بیاسی مختلف ابواب پر بحث کی گئی ہے۔ اس میں انھوں نے خراج، عشر، خمس، مالِ فئ، مال غنیمت، جزیہ، غلاموں اور ذمیوں کے معاشی حقوق، تجارت اور دیگر معاشی پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

۴۔ امام ابن قدامہ بن جعفر (متوفی ۳۳۷ھ) کی کتاب "کتاب الخراج" بھی اقتصادیات اسلام پر ایک اہم تصنیف ہے۔ اس میں انھوں نے دیگر معاشی موضوعات کے علاوہ احیاء الموات اور آب پاشی کے احکام بھی بیان کیے ہیں۔ حافظ ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) ابن قدامہ کی کتاب الخراج کے بارے میں لکھتے ہیں: "به يقتدى علماء هذا الشان" علم معاشیات سے تعلق رکھنے والے علما اس کتاب کے مندرجات پر عمل کرتے ہیں۔

۵۔ امام ابو جعفر الداؤدی (متوفی ۴۰۲ھ) کی تصنیف "کتاب الاموال" بھی علم معاشیات میں ایک اہم مقام رکھتی ہے۔ اس میں اموال کی مختلف اقسام، ان کے حصول کے مختلف ذرائع، ان کی حفاظت اور تقسیم مال پر بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب چار اجزا پر مشتمل ہے۔ پہلا جز دس فصلوں پر مشتمل ہے جب کہ دوسرے، تیسرے اور چوتھے حصے میں بالترتیب چار، گیارہ اور تین فصول کو شامل کیا گیا ہے۔ اس میں زمین، زمینی پیداوار کے احکام، اموال اور اس کے علاوہ معاشیات کے دیگر موضوعات پر بھی قلم اٹھایا گیا ہے۔

۶۔ امام ابونصر فارابی (متوفی ۹۵۰ھ) دسویں صدی عیسوی کے مشہور مسلم فلسفی گزرے ہیں انھوں نے معاشرتی اور معاشی موضوعات پر بھی خوب خامہ فرسائی کی ہے۔ جن میں "سياسة المدينة" سر فہرست ہے۔

۷۔ پانچویں صدی ہجری کے مشہور ماہر معاشیات امام علی بن محمد الماوردی (متوفی ۴۵۰ھ) نے بھی اقتصادیات اسلام پر چار معیاری کتابیں تصنیف کی ہیں: (۱) الاحكام السلطانية، (۲) قوانين وزارت، (۳) كتاب النفقات، (٤) نصيحة الملوك.

۸۔ نامور مذہبی مصلح جنھیں دنیا صرف تصوف کے حوالہ سے ہی جانتی ہے حالانکہ وہ جملہ علوم و فنون کے امام تھے۔ انھوں نے بھی اقتصادیات و معاشیات پر ایک نہیں پانچ کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں یعنی حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) نے احیاء علوم الدین، کیمیائے سعادت، رسالۃ العقائد، الاسلام والاوضاع الاقتصادیۃ اور خلاصۃ الفقہ میں نہایت حسین پیرائے میں معاشی افکار پر روشنی ڈالی ہے۔

۹۔ علامہ ابن خلدون (متوفی ۸۰۸ھ) کا مقام علم معاشیات کے ارتقا میں بہت بلند ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "كتاب العبر و ديوان المبتداء والخبر، المقدمة" کے پانچویں باب میں بتیس (۳۲) طویل فصلیں صرف "معاشیات" کے لیے مخصوص کی ہیں۔ مغربی مفکرین اور مستشرقین نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ ابن خلدون کا کام ایڈم اسمتھ (Adam Smith) سے بھی بہتر ہے۔

اس کے بعض نظریات اس قدر ترقی یافتہ ہیں کہ اگر ہم یہ کہیں کہ ابن خلدون کا شمار معاشیات کے بانیوں میں ہوتا ہے تو غلط نہ ہوگا۔ مقدمہ ابن خلدون میں مندرجہ ذیل معاشی موضوعات زیر بحث لائے گئے ہیں:-

(۱) معاشیات کی تعریف اور نفس مضمون، (۲) حصول دولت، (۳) معاشیات کا دوسرے سائنسی مضامین سے تعلق، (۴) دولت اور اس کے معاشرتی اور انفرادی پہلو، (۵) روپیہ اور اس کی خصوصیات، (۶) طلب و رسد کی قوتیں اور قیمتوں پر ان کے اثرات، (۷) آزادانہ تجارت اور معاشی تجارت، (۸) قیمتوں اور محنت و قدر کا باہمی انحصار، (۹) پیداواری اور غیر پیداواری پیشے، (۱۰) آبادی پر اثر انداز ہونے والے معاشی عوامل، (۱۱) ظلم و استبداد کے معاشی نتائج، (۱۲) ریاست کی قسمیں اور اس کے معاشی فرائض، (۱۳) ٹیکسوں کی شرحیں، (۱۴) عوام کے خرچ کرنے کے معاشی فوائد، (۱۵) معاشی ترقی کے مراحل، (۱۶) دیہاتی اور شہری معاشی نتائج، (۱۷) شہروں میں قیمتیں، (۱۸) صنعتوں کی تحدید، (۱۹) روزی کمانے کے مختلف ذرائع، (۲۰) تجارت اور اس کی قسمیں، (۲۱) برآمدات اور درآمدات، (۲۲) ذخیرہ اندوزی اور اجارہ داری، (۲۳) صنعتی تربیت، (۲۴) فنی تعلیم، (۲۵) صنعتوں کی ترقی اور زوال کی وجوہات اور اُس دور کی بڑی صنعتیں۔

۱۰۔ بارہویں صدی ہجری کے مجدد امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی "حجة الله البالغة" تحریر کی۔ جس میں معاشی اصولوں پر بھی طویل بحث کی گئی ہے، جس سے معاشیات کا مفہوم، اس کا ارتقا اور معاشی اصولوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ شاہ صاحب کے معاشی افکار کو سمجھنے کے لیے آپ کا "نظریۂ ارتقا عمران و اقتصادیات جسے وہ مخصوص

اصطلاح میں ”ارتفاقات“ سے موسوم کرتے ہیں، جاننا ضروری ہے۔

ان کتب کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلامی دور میں ایسے مالیاتی نظام موجود تھے جو تجارت، بینک کاری اور کارپوریشنوں کی طرح کے اداروں پر مشتمل تھے۔ مذکورہ بالا تمام بحث سے یہ بات بخوبی عیاں ہوتی ہے کہ اسلامی معاشیات ہر زمانے میں عمل پذیر رہی ہے۔ اس کی یہی عمل پذیری اس کی اہمیت کو واضح کرتی ہے اور اس امر کا تقاضہ کرتی ہے کہ موجودہ دور میں بھی اسلامی معاشیات کو نہ صرف فروغ دیا جائے بلکہ اس پر عمل بھی کیا جائے تاکہ مالی اعتبار سے ہم مضبوط ہو کر خوش حال سماج و معاشرہ تشکیل دے سکیں اور فارغ البال، قلبی ذہن و سکون کے ساتھ خدمت اسلام کر سکیں۔

عصر حاضر میں علم معاشیات کی ضرورت و اہمیت:

عصر حاضر میں معیشت کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح انسان کی ابتدائی تاریخ کو پتھر اور دھات کے زمانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے اسی طرح آج کا دور معیشت کا دور بلکہ نظامہائے معیشت کی کشمکش کا دور ہے اور صنعتی و سائنسی ترقی نے اس کشمکش کو تند و تیز کر دیا ہے۔

اس علم کا تعلق ہماری روزمرہ زندگی سے ہے اس لیے ایک کامیاب شہری بننے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ ٹیکسوں کے نظام کو سمجھنے کے لیے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔ معاشرہ میں منصفانہ تقسیم دولت کے لیے اسلامی معاشیات ناگزیر ہے۔ آمدنی اور خرچ میں توازن قائم رکھنے کے لیے اسلامی معاشیات کا مطالعہ مفید ہے۔ اسلامی معاشیات میں فضول خرچی اور بخل دو انتہائی رویے ہیں اور بہترین راہ اعتدال ہے جس کی صحیح رہنمائی اور نشاندہی اسلامی معاشیات ہی کرتی ہے۔ بین الاقوامی تجارت، غیر ملکی قرضے اور بیرونی سرمایہ کاری جیسے معاملات کو جاننے کے لیے بھی اس کا مطالعہ ضروری ہے۔

علم معاشیات کے مطالعہ سے ذہنی تعمیر و ترقی میں مدد ملتی ہے۔ تعمیری اور ٹھوس اندازِ فکر کے لیے رہنمائی ہوتی ہے علم معاشیات کی روشنی میں ہم وسائل کا بہترین استعمال کر سکتے ہیں۔ ذمہ دارا اور باشعور شہری کی تخلیق معاشی مضبوطی سے تعلق رکھتی ہے۔ معاشیات کا مطالعہ حکومت کی راہنمائی اور سیاسی لیڈروں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اقتصادی و معاشی خوشحالی سے باہمی ہم آہنگی، مزدوروں کی صحیح رہنمائی اور افلاس و غربت سے نجات ملتی ہے۔ دولت کی مساویانہ تقسیم، سرمایہ اور محنت میں توازن، بین الاقوامی معیشت سے واقفیت اور اصول و نظریات سے واقفیت علم معاشیات کے مطالعہ سے ہی ہوتی ہے۔

امداد باہمی: اسلام سلامتی کا دین ہے اور اس کا عطا کردہ تصور فلاح و بہبود صرف نظریہ و عقیدہ تک محدود نہیں بلکہ عملاً ایک نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک مثالی اسلامی مملکت میں افراد معاشرہ کی سلامتی و فلاح کو یقینی بنانے کے لیے اسلام امداد باہمی اور کفالت عامہ کا تصور دیتا ہے۔ امداد باہمی سے مراد ”افراد معاشرہ کا ایک دوسرے سے تعاون کرنا ہے“، حدیث نبوی ہے: ”خیر الناس انفعهم للناس“ لوگوں میں سے بہترین وہ شخص ہے جو ان میں سے عام لوگوں کے لیے زیادہ نفع بخش ہے (طبرانی المعجم الاوسط، رقم الحدیث: ۵۷۸۷)، منفعت فراہم کرنے سے مراد ہر شعبۂ زندگی میں دوسروں کی مدد و تعاون بھی ہے۔ خلق خدا ایک دوسرے سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جڑی ہوئی ہے۔ امداد باہمی اور تعاون کے بغیر معاشی و معاشرتی استحکام کے مفقود ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے امداد باہمی کا تصور دے کر افراد میں تعاون، اخوت، عزت و احترام اور خوشحال زندگی گزارنے کا طریقہ بتا دیا ہے۔ انفرادی اور اجتماعی سطح پر امداد باہمی کے فروغ کو قرآن حکیم نے ایک اصول اور قانون کے طور پر بیان فرمایا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى، وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ. (سورہ المائدہ:۲) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کے کاموں پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔

یہ آیت مبارکہ اخلاقی، معاشرتی اور معاشی زندگی کے جملہ پہلوؤں کو محیط ہے۔ تقویٰ اور اثم یعنی پرہیزگاری اور گناہ کا تعلق زندگی کے معاشرتی اور معاشی پہلوؤں سے ہے۔

اسلام نے لوگوں کی معاشی حالت کو بہتر کرنے پر بڑی توجہ دی ہے اور ان کے مال و دولت کے ضائع ہونے اور فضول خرچ ہو جانے سے حفاظت کی ہے۔ اسی لیے فضول جگہوں پر مال استعمال کرنے سے منع کیا ہے، لہٰذا ذمہ داران حکومت پر واجب ہے کہ وہ ارتکاز دولت کرنے والوں کی حوصلہ شکنی کرنے اور ان کے جمع شدہ اموال کو مناسب قیمت اور معقول منافع کے ساتھ پبلک میں تقسیم کر دے۔

اسی طرح ارباب حکومت کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایسے لوگوں کو اموال میں تصرف کرنے سے منع کرے جو پاگل، کم عقل، بے وقوف اور اسراف و تبذیر کرنے والے ہوں اور یہ ممانعت اس وقت تک رہے گی جب تک ان کا پاگل پن اور بے وقوفی زائل نہیں ہو جاتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ”وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا“ اور تم ناسمجھ لوگوں کو اپنے یا ان کے مال سپرد نہ کرو جنھیں اللہ نے تمھاری معیشت کی استواری کا سبب بنایا ہے۔

باہمی معاشی تعاون پر چند حدیثیں:

۱۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

اِن الاشعر یین اِذا ارملوا فی الغزو، او قلّ طعام عیالھم بالمدینۃ، جمعوا ماکان عندھم فی ثوب واحد بالسو یۃ فھم منی وانا منھم" (الصحیح البخاري رقم ۲۳۵٤).

دوران جنگ جب اشعریوں کا کھانا ختم ہوگیا یا مدینہ میں قیام کے دوران ان کے اہل و عیال کے لیے کھانا کم پڑ گیا تو انھوں نے جو کچھ ان کے پاس تھا اسے ایک کپڑے میں جمع کیا، پھر اسے ایک برتن سے برابر برابر آپس میں تقسیم کر دیا، اسی لیے وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔

۲۔ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اصحاب صفہ غریب تھے جن کے پاس بعض اوقات کھانے کو بھی نہ ہوتا تھا ان کے لیے سیدی مصطفی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا:

"من كان عنده طعام اثنين، فليذهب بثالث، ومن كان عنده طعام اربعة فليذهب بخامس أو سادس"

(الصحيح البخاري رقم ۳۳۸۸).

جس کے پاس دو افراد کا کھانا ہو اسے چاہیے کہ وہ اس میں تیسرے کو بھی شامل کرے اور اگر چار کا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس میں پانچویں یا چھٹے بندے کو بھی شامل کرے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "طعام الاثنين كافي الثلاثة، وطعام الثلاثة كافي الاربعة" (الصحيح البخاري رقم ۵۰۷۷).

دو افراد کا کھانا تین کے لیے کافی ہے اور تین افراد کا کھانا چار کے لیے کافی ہے۔

۴۔ باہمی معاشی تعاون کے سلسلہ میں سیدی مصطفی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: "ليس بالمومن الذي يبيت شبعانا وجاره جائع الى جنبه" (المستدرك على الصحيحين: ۲۱۶۶).

وہ مومن نہیں جس نے شکم سیر ہو کر رات بسر کی اور اس کا ہمسایہ بھوکا رہا۔

۵۔ عوام کی معاشی ضروریات کی تکمیل کی ذمہ داری حکومت وقت پر کس حد تک عائد ہوتی ہے اس کا اندازہ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس خطبہ سے ہوتا ہے جو آپ نے قادسیہ کی فتح کی خوش خبری سننے کے بعد ارشاد فرمایا:

"انی حريص على أن لاارى حاجة الاسادتها، مااتسع بعضنا لبعض، فاذا عجز ذلك عنا تأسينا فی عيشنا حتى نستوى فی الكفاف، ولوددت انكم علمتم من نفسی مثل الذی وقع فيها لكم، ولست معلمكم الا بالعمل، انی والله لست بملك فاستعبدكم، ولكنی عبدالله عرض علی الأمانة فان ابيتها ورددتها عليكم، واتبعتكم حتی تشبعوا فی بيوتكم، وترووا سعدن بكم، وان انا حملتها واستتبعتكم الى بيتی شقيت بكم، ففرحت فليلا وحزنت طويلا، فبقيت لا اقول ولا ارد فاستعتب" (البداية والنهاية لابن كثير : ۷/ ٤٦).

مجھے اس بات کی بڑی فکر رہتی ہے کہ جہاں بھی تمھاری کوئی ضرورت دیکھوں اسے پورا کروں، جب تک ہم سب مل کر اسے پورا کرنے کی گنجائش رکھتے ہوں۔ جب ہمارے اندر اتنی گنجائش نہ رہ جائے تو ہم باہمی امداد کے ذریعہ گزر اوقات کریں گے، یہاں تک کہ سب کا معیار زندگی ایک سا ہو جائے۔ کاش تم جان سکتے کہ میرے دل میں تمھارا کتنا خیال ہے، لیکن میں یہ بات تمہیں عمل کے ذریعہ ہی سمجھا سکتا ہوں۔ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں، کہ تم کو اپنا غلام بنا کر رکھوں، بلکہ خدا کا بندہ ہوں، خلافت و حکومت کی امانت میرے سپرد کی گئی ہے۔ اب اگر میں اس کو اپنی ذاتی ملکیت نہ سمجھوں بلکہ تمھاری امانت سمجھ کر تمھاری طرف واپس کر دوں اور تمھاری خدمت و ادائے حقوق کے لیے تمھارے پیچھے پیچھے چلوں یہاں تک کہ تم اپنے گھروں میں سیر ہو کر کھا پی سکو تو میں تمھارے ذریعہ فلاح پاؤں گا، اور اگر میں اسے اپنا بنالوں اور تمہیں اپنے پیچھے پیچھے چلنے اور اپنے حقوق طلب کرنے کے لیے اپنے گھر آنے پر مجبور کر دوں، تو تمھارے سبب میرا انجام خراب ہوگا۔ دنیا میں کچھ عرصے خوشی منالوں گا، مگر آخرت میں عرصہ دراز تک غمگین رہوں گا اور میرا حال یہ ہوگا کہ نہ کوئی مجھے کچھ کہنے والا ہوگا اور نہ کوئی میری بات کا جواب دے گا کہ میں اپنا عذر بیان کر کے معافی حاصل کر سکوں۔

تاریخ اقوام عالم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عروج و زوال، خوش حالی و بدحالی، امن و جنگ اور کامیابی و ناکامی کی اہم وجوہات میں معاشیات و اقتصادیات کے استحکام و عدم استحکام کا بہت بڑا دخل رہا ہے۔ عصر حاضر میں بھی وہ ممالک جو اقتصادی طور پر مستحکم ہیں، ترقی یافتہ، امیر یا سپر پاورز کے نام سے موسوم کیے جاتے ہیں۔ اس کے برعکس اپنی اقتصادی صورت حال کے سلسلے میں عدم توجہی برتنے یا نظر انداز کرنے والے ممالک غیر ترقی یافتہ پسماندہ اور غریب ممالک کی فہرست میں شامل کیے جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے ان میں اکثریت اسلامی ممالک کی ہے اور ایسے ممالک کی تعداد ترقی یافتہ ممالک کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔

آج ضرورت اس بات کی ہے کہ قوم مسلم دیگر علوم و فنون کی طرح اسلامی اقتصادیات و معاشیات پر توجہ دیں، جس سے کہ ہم اس میدان میں بھی مضبوط ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر میدان میں کامیابی و کامرانی عطا فرمائے، آمین۔ ☆☆☆

آپ کے مسائل

مفتیِ اشرفیہ مفتی محمد نظام الدین رضوی کے قلم سے

منگل سوتر پہننے کا حکم

کیا فرماتے ہیں علماے دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ہذا کے بارے میں کہ عورتوں کو منگل سوتر پہننا کیسا ہے؟

الجواب

اگر یہ زیور کسی علاقے میں غیر مسلم عورتوں کا شعار ہو کہ اس علاقے میں وہی پہنتی ہیں اور کوئی عورت منگل سوتر پہنی ہوئی دِکھے تو یہی سمجھا جائے کہ وہ غیر مسلمہ ہے تو اس علاقے میں مسلم عورتوں کو منگل سوتر پہننا مکروہ و ناجائز ہے کہ حدیث میں ہے:

مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ.

اور جن علاقوں میں یہ غیر مسلم عورتوں کا شعار نہ ہو وہاں مسلمان عورتوں کا یہ زیور پہننا جائز ہے اور اس میں کوئی کراہت نہیں کہ زیور بجائے خود مباح ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

شراب کے کاروبار میں مدد کرنے کا حکم

زید شراب کے بڑے کاروبار کی سرپرستی کرتا ہے اور ہر ممکن مدد بھی کرتا رہتا ہے، لیکن زید کے پاس اس کے علاوہ اور بھی ذریعۂ معاش وکسب موجود ہے۔

سوال یہ ہے کہ کیا زید کی دی ہوئی رقم مسجد یا مدرسے میں قبول کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کو مسجد یا مدرسے کے جملہ عہدوں جیسے ممبر، صدر، خزانچی، متولی وغیرہ پر مقرر کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں رہنمائی فرما کر عند اللہ موجبِ اجر و ثواب ہوں۔

الجواب

(۱) جب زید کے پاس حلال ذریعۂ کسب بھی موجود ہے تو مسجد و مدرسہ کے لیے اس کا چندہ قبول کرنا جائز ہے، کوئی حرج نہیں، وہ مدرسہ و مسجد کا جو کچھ تعاون کرے قبول کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) شراب کے کاروبار میں مدد کرنا حرام و گناہ ہے، اس کے باعث زید فاسق ہے اور اس لائق نہیں کہ اسے مسجد یا مدرسے کی کمیٹی کا رکن، صدر، خازن، متولی بنائیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بینک سے ملنے والی زائد رقم مسجد و مدرسہ میں لگانا کیسا ہے؟

زید نے اپنی زمین فروخت کر دی اور اس کی تمام رقم بینک میں جمع کر دیا، اب اس رقم کے عوض بینک سے جو سود ملتا ہے وہی زید کی کل آمدنی ہے، اس کے علاوہ اور کوئی ذریعۂ معاش زید کے پاس نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا زید کی رقم مسجد یا مدرسہ میں لی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور کیا زید کو مسجد یا مدرسے کے کسی بھی عہدہ پر فائز کیا جاسکتا ہے؟ مثلاً ممبر، صدر، خزانچی وغیرہ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں رہنمائی فرما کر عند اللہ ماجور ہوں۔

الجواب

حکومت ہند کے بینکوں میں روپے جمع کرنے پر جو زائد رقم ملتی ہے وہ شرعی نقطۂ نظر سے سود نہیں، بلکہ ایک مالِ مباح ہے جو حکومت کے مقررہ دستور کے تحت ہر کھاتہ دار کو ملتا ہے، پھر یہاں کا ایک شہری ہونے کی حیثیت سے ہمارا حق بھی ہے، لہٰذا حکومت کے بینکوں میں روپے جمع کر کے زائد رقم لینا جائز ہے اور اسے استعمال میں لانا بھی جائز ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فوم کی چٹائی پر سجدہ کرنے کا حکم

آج کل مساجد میں جو فوم کی صفیں بچھائی جا رہی ہیں، ان پر نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟ اس فوم کا ایک ٹکڑا بغرضِ تحقیق استفتا کے ساتھ ارسال کیا جا رہا ہے، اسے ملاحظہ فرما کر شرع سے آگاہ فرمائیں؟

الجواب

فوم اگر پتلا ہے کہ سجدے میں پیشانی اس پر اچھی طرح جم جائے اور مزید دبانے سے نہ دبے تو نماز جائز و صحیح ہے اور اگر فوم موٹا ہو کہ پیشانی اس پر اچھی طرح نہ جمے یعنی پیشانی اگر زور سے دبائیں تو مزید

دبے تو اس پر نماز پڑھنا جائز ہے کہ نماز نہ ہوگی۔

فتاویٰ عالم گیری میں ہے:

ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن أو الطنفسة أو الثلج إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز و إن لم تستقر لا... هكذا في الخلاصة.

(كتاب الصلاة، الباب الرابع في صفة الصلاة، الفصل الأول في فرائض الصلاة)

صدر الشریعہ علیہ الرحمۃ نے بہارِ شریعت میں اس کی ترجمانی اس طرح فرمائی ہے:

کسی نرم چیز مثلاً گھاس، روئی، قالین وغیرہا پر سجدہ کیا تو اگر پیشانی جم گئی، یعنی اتنی دبی کہ اب دبانے سے نہ دبے تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ (عالمگیری)

بعض جگہ جاڑوں میں مسجد میں پیال بچھاتے ہیں تو لوگوں کو سجدہ کرنے میں اس کا لحاظ بہت ضروری ہے کہ اگر پیشانی خوب نہ دبی تو نماز ہی نہ ہوئی اور ناک ہڈی تک نہ دبی تو مکروہ تحریمی واجب الاعادہ ہوئی، کمانی دار گدے پر سجدہ میں پیشانی خوب نہیں دبتی، لہٰذا نماز نہ ہوگی، ریل کے بعض ڈبوں میں بعض گاڑیوں میں اسی قسم کے گدے ہوتے ہیں، اس گدے سے اتر کر نماز پڑھنی چاہیے۔ (بہارِ شریعت، ج:۱، حصہ:۳، صفحہ ۶۵، نماز پڑھنے کا طریقہ، قادری کتاب گھر) واللہ تعالیٰ اعلم۔

سنّی لڑکے کا دیوبندی لڑکی سے نکاح کا مسئلہ

لڑکا سنی ہے اور لڑکی دیوبندی، مگر لڑکی کو ان کے عقائدِ باطلہ کا کچھ علم نہیں، بس علاقائی لوگ دیوبندی کہتے ہیں اور وہ بھی اپنے آپ کو دیوبندی کہلاتی ہے اور وہاں کے مولانا صاحب نے بلا تحقیق و تفتیش ان دونوں کا نکاح پڑھا دیا ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ:

(۱) ان دونوں کے درمیان نکاح درست ہے یا نہیں؟

(۲) اور مولانا صاحب کا بلا تحقیق و تفتیش نکاح پڑھانا کیسا ہے؟

الجواب

(۱) دیوبندی مذہب کے بہت سے عقائد مذہب اسلام کے خلاف بلکہ اس کے متصادم ہیں اور اس کے کچھ عقائد تو خالص کفر ہیں، جن کی تفصیل حسام الحرمین وغیرہ میں ہے، لیکن ہر وہ شخص جو دیوبندی علاقے میں پیدا ہوا، اور لوگوں نے اسے دیوبندی سے موسوم کیا، دیوبندی نہیں، لڑکی اگر بے علم ہے، دیوبندی مذہب کے عقائد سے واقف نہیں تو کچھ ذمہ دار علما کے ذریعہ اسکی پوری تحقیق کی جائے اور اگر تحقیق سے یہ ثابت ہو کہ لڑکی دیوبندی مذہب کے عقائدِ کفریہ سے بے خبر ہے اور وہ ان کفری عقیدے والوں کو مسلمان نہیں مانتی تو حکم ہوگا کہ وہ واقع میں سنیہ ہے، اس کے ساتھ سنی لڑکے کا نکاح درست ہے، البتہ وہ اس علاقے کے لوگوں سے قطع تعلق کر کے اپنے شوہر کے ساتھ رہے، مزید معلومات کے لیے مسلک کتاب "وہابی دیوبندی مذہب کے عقائد واحکام" کا مطالعہ کریں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(۲) مولانا صاحب نے بلا تفتیش و تحقیق نکاح پڑھا کے غلطی کی، اب تحقیق کرائیں جو رپورٹ آئے گی اس کے مطابق حکم جاری ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

سسرال سے بہو ملنے والے زیور کا مالک کون ہے؟

ہمارے یہاں عرف ہے کہ دلھن کو جو زیور دیے جاتے ہیں وہ صرف پہننے کے لیے دیے جاتے ہیں، دلھن کو اس کا مالک نہیں بناتے، اس لیے جب طلاق ہوتی ہے تو وہ زیور لے لیتے ہیں، لیکن باپ اپنے بیٹے سے کبھی اس کا مطالبہ نہیں کرتا، گویا کہ اس کو مالک بنا دیتا ہے۔

اس طرح زید نے بھی اپنے بیٹے کی شادی کے موقع پر اس کی دلھن کو زیور دیے، پھر زید کا انتقال ہو گیا، آیا زید کے دیگر ورثہ کا اس زیور میں حصہ ہوگا یا نہیں؟

الجواب

ہمارے دیار کا عرفِ عام یہ ہے کہ بہو کو جو زیور دیا جاتا ہے، اس کا مالک اپنے لڑکے کو بنایا جاتا ہے، وہ بہو کے واسطے سے اپنے لڑکے کے لیے ہبہ ہے، یہی وجہ ہے کہ جس کے چند لڑکے ہوتے ہیں وہ سب کو برابر برابر دیتا ہے، اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا، لہٰذا اگر صورتِ مسئولہ میں زید کے دیے ہوئے زیورات پر اس کے لڑکے کا قبضہ ہو چکا ہو یعنی زید کی حیات میں اس نے اسے ہاتھ میں لے لیا تو اس کا مالک وہی ہے، وہ زید کا ترکہ نہیں، لہٰذا اس میں میراث جاری نہ ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

☆☆☆☆

ہندوستان، فلسطین اور اسرائیل

صابر رضا رہبرؔ مصباحی

مظلوم فلسطینیوں پر انسانیت سوز مظالم کے لیے عالمی عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی تحریک سے ہندوستان کی علیحدہ گی نے دنیا کے انصاف پسندوں کو حیران کر دیا تھا۔ گزشتہ چند برسوں میں غزہ میں ہزاروں افراد کے قتل کے خلاف عالمی عدالت میں پیش کردہ قرارداد کی حمایت کرنے والوں میں ۸/ یورپین ممالک کے علاوہ ۱۴۱/ ممالک شامل تھے جبکہ ہندوستان نے ووٹنگ سے غیر حاضر رہنے کا فیصلہ کیا تھا جو دراصل اسرائیل کی درپردہ حمایت تھی، ووٹنگ سے قبل اسرائیلی وزیر اعظم اور نریندر مودی کے درمیان ہوئی گفتگو نے سب کچھ بے غبار کر دیا حالاں کہ ہندوستان کا فلسطین کے ساتھ تاریخی روابط رہے ہیں اور ماضی میں ہر موڑ پر ہندوستان نے فلسطین کا ساتھ دیا ہے۔ بابائے قوم گاندھی جی اور ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈٹ جواہر لال نہرو سے لے کر اندرا گاندھی اور راجیو گاندھی تک فلسطین کے تئیں ہندوستان کی خارجہ پالیسی ہمدردی پر مبنی رہی ہے۔ اگرچہ ہندوستان اور فلسطین کے تعلقات اپنے اندر نشیب و فراز کی کئی پرت رکھتے ہیں اس کے باوجود قطعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندوستان ہمیشہ فلسطین کا دوست ملک رہا ہے۔ اسرائیل کے قیام کے محض چند برسوں بعد یعنی ۱۷/ستمبر ۱۹۵۰ء کو ہندوستان نے اسرائیل کو باضابطہ طور پر تسلیم کر کے اپنے عرب دوست کو محو حیرت کر دیا تھا، کیوں کہ ہندوستان کا یہ فیصلہ اپنے عرب دوست ممالک کی توقع کے بالکل برعکس تھا۔ کیوں کہ یہی وہ ہندوستان تھا جس نے ۱۹۴۹ء میں اقوام متحدہ میں قیام اسرائیل کی مخالفت میں ووٹ دیا تھا اور اس کے بعد جب بھی یہودیوں کی جانب سے فلسطینیوں پر ظلم و ستم کیا جاتا ہندوستان کی جانب سے مضبوط آواز بلند کی جاتی تھی اور اپوزیشن جماعتیں کانگریس پہ الزام لگاتی تھیں کہ وہ مسلم ووٹ بینک کے لیے اسرائیل کی مخالفت کرتی ہے۔

رشتوں کے اس نشیب و فراز سے بآسانی یہ نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت ہندوستان کی خارجہ پالیسی اسرائیل اور فلسطین کے معاملہ میں تذبذب کی شکار تھی لیکن اس کے عملی رویے فلسطین کی تائید کر رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان کو ہمیشہ سے فلسطین کا حامی تسلیم کیا جاتا رہا اور گاندھی جی نے بھی یہودی سلطنت کی کھل کر مخالفت کرتے ہوئے فلسطینیوں کی وکالت کی ہے۔ ۲۶/نومبر ۱۹۳۸ء میں گاندھی جی کے ہفتہ وار رسالہ 'ہریجن' میں شائع ان کے مضمون کا ایک اقتباس حقیقت کے چہرے کو مزید روشن کر سکتا ہے۔ مضمون کا عنوان تھا 'The Jews in Palestine' اس مضمون میں گاندھی جی نے لکھا تھا کہ "مجھ سے اکثر عرب، یہودی مسئلے پر رائے پوچھی جاتی ہے۔ یہود بے شک اس وقت اپنا کوئی ملک نہیں رکھتے، مگر انہیں زور زبردستی سے فلسطین پر قبضہ نہیں کرنا چاہیے، یہ بات انصاف کے اصولوں پر پوری نہیں اترتی، اسی لیے فلسطین میں عربوں کو بے دخل کر کے وہاں یہودی ریاست قائم کرنے کا خیال مجھے نہیں بھاتا۔"

فلسطین سے متعلق گاندھی جی کے نظریہ کے بعد یہ سمجھنا بہت سہل ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کی خارجی پالیسی فلسطینیوں کے حق اور یہودیوں کے خلاف رہی ہے۔ اسے گاندھی جی کی یہودی مخالف نظریہ کی کرشمہ سازی کہی جاسکتی ہے کہ ملک کے پہلے وزیر اعظم پنڈٹ جواہر لال نہرو نے فلسطینیوں کی حمایت کو سرکاری پالیسی بنا لیا۔ سیکولر مزاج پنڈت نہرو مذہب کی بنیاد پر قائم ہونے والی ریاست اسرائیل کے ساتھ چل نہیں سکے۔

۱۹۵۰ء میں اسرائیل کو تسلیم کرنے کے بعد رشتوں میں جو تلخی آگئی تھی؛ ہندوستان کی خارجہ پالیسی نے بڑی دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو دور کرنے کی کوشش کی اور فلسطین و ہندوستان کے درمیان فاصلوں کے برف کو پگھلانے میں اس حد تک کامیاب ہوا کہ وہ پہلا غیر عرب ملک بن گیا جس نے ۱۹۷۴ء میں یاسر عرفات کی تنظیم آزادی فلسطین کو تسلیم کرنے کا تاریخی فیصلہ کیا۔ اسی زمانے میں اندرا گاندھی اور یاسر عرفات کی پُرجوش ملاقات والی تصویریں پوری دنیا میں بہت مقبول ہوئی تھی۔ تنظیم آزادی فلسطین (پی ایل او) کے سربراہ یاسر عرفات سابق وزیر اعظم ہند اندرا گاندھی کو اپنی بہن کہتے تھے، راجیو گاندھی سے بھی یاسر عرفات کے بہت ہی خوشگوار تعلقات تھے۔ یاسر عرفات نے ہندوستان کا بکثرت سفر کیا ہے اور ہندوستان کو وہ اپنا وطن ثانی مانتے تھے۔

اس سلسلے میں ایک تاریخی واقعہ کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، بات ۱۹۸۳ء کی ہے جب ہندوستان غیر وابستہ ممالک کے سربراہی اجلاس کی میزبانی کر رہا تھا اس میں شرکت کرنے کے لیے تمام غیر وابستہ ممالک کے سربراہان موجود تھے اس میں یاسر عرفات بھی شریک تھے۔ سابق وزیر خارجہ نٹور سنگھ اس کانفرنس کے جنرل سکریٹری تھے اور اس کانفرنس میں صبح کے سیشن میں فیدل کاسترو صدر تھے۔ اس کے بعد اندرا گاندھی صدر تھیں۔ صبح کے سیشن کے بعد ایک خاموش شور اٹھا کہ یاسر عرفات بہت ناراض ہیں اور فوری طور پر اپنے جہاز سے واپس جانا چاہتے ہیں، جب یہ خبر اندرا گاندھی تک پہنچی تو وہ اپنے ساتھ فیدل کاسترو کو بھی لیتی آئیں پھر فون کر کے یاسر عرفات کو بلا لیا گیا۔ فیدل کاسترو نے ناراض عرفات سے کہا کہ آپ اندرا گاندھی کو اپنا دوست مانتے ہیں یا نہیں۔ اس

پر یاسر عرفات نے جواب دیا کہ دوست نہیں بلکہ وہ میری بڑی بہن ہیں۔ اس پر کاسترو نے تپاک سے کہا تو پھر چھوٹے بھائی کی طرح برتاؤ کرو اور کانفرنس میں حصہ لو۔ عرفات مان گئے اور شام کے سیشن میں حصہ لینے کے لیے پہنچ گئے۔

یاسر عرفات اپنے ہوائی سفر کو بہت خفیہ رکھتے تھے اور میزبان ملک کو پہلے سے نہیں بتایا جاتا تھا کہ وہ وہاں آنے والے ہیں۔ ان کا اکثر ہندوستان آنا ہوتا تھا۔ جب بھی یاسر عرفات یہاں آتے تھے پہلے سے اپنی آمد کی خبر نہیں دیتے تھے ایک دو گھنٹے پہلے ہی خبر آتی تھی کہ وہ آرہے ہیں اس کے باوجود اندرا گاندھی انھیں ہمیشہ ریسیو کرنے ایئرپورٹ پر جاتی تھیں۔ وہ ہمیشہ اندرا گاندھی کو 'مائی سسٹر' کہہ کر پکارتے تھے۔ اندرا گاندھی کے علاوہ راجیو گاندھی اور کمیونسٹ لیڈر سیتارام یچوری سے بھی ان کے خوشگوار مراسم رہے ہیں، کئی بار ملاقاتیں ہوئی ہیں۔ لیکن ۱۹۹۱ء میں سویت یونین کے خاتمے کے ساتھ فلسطین اور ہندوستان کے رشتوں پر گہن لگنا شروع ہو گیا اور کانگریس کی نرسمہاراؤ کی حکومت نے باضابطہ طور پر ہندوستان میں اسرائیلی سفارت خانہ کے قیام کو منظوری دے دی۔ نرسمہاراؤ کے اس فیصلہ سے ایک بار پھر عرب دوست ممالک اور خود ہندوستان کے انصاف پسند طبقے خصوصاً ملک کی خارجہ پالیسی پر نظر رکھنے والوں کو زبردست دھچکا لگا۔ اس کے بعد اسرائیل سے رشتے تیزی کے ساتھ مضبوط ہوتے گئے اور اسی قدر فلسطینی مظلوموں کے حق میں ہندوستان کی حمایت کمزور پڑتی گئی۔ ہندوستان میں اسرائیلی سفارت خانہ کے قیام کے محض چھ برسوں بعد ۱۹۹۷ء میں اسرائیلی صدر ایزر ویزمان نے ہندوستان کا دورہ کیا اور اس دوران وزیر اعظم دیو گوڑا نے اسرائیل سے میزائل خریدنے کا معاہدہ کرلیا اس کے بعد جیسے ہی بی جے پی مرکز میں برسر اقتدار آئی ایسا لگا کہ ہندوستان اور اسرائیل تعلقات کو جیسے پر لگ گئے ہوں۔

اسرائیل ہندوستان میں سرمایہ کی ریل پیل کی بنیاد پر اسے اپنا دوست بنا نے کی شاطرانہ چالیں چلتا رہا جو ہنوز جاری ہے ۔ اسرائیل کی عیاری کام آئی اور دھیرے دھیرے فلسطین کے ساتھ ہندوستان کی جھوٹی ہمدردی بھی ختم ہوتی گئی۔ یہی نہیں غزہ میں پچاس دنوں تک جاری رہنے والی اسرائیلی خون ریزی کے خلاف پوری دنیا میں آوازیں اٹھ رہی تھیں اور اسرائیلی بربریت کی کھلے عام مذمت ہو رہی تھی اس وقت بھی مودی حکومت کی زبان گونگ رہی اور اپوزیشن نے جب پارلیمنٹ میں اسرائیلی مظالم کے خلاف مذمتی قرارداد پیش کرنی چاہی تو مودی حکومت نے اسے نامنظور کر دیا۔ اپوزیشن کے شدید احتجاج کے جواب میں وزیر خارجہ ششما سوراج کا کہنا تھا کہ اسرائیل سے ہندوستان کے دوستانہ مراسم ہیں اور حکومت ایسا کوئی کام نہیں کرے گی جس سے دوستانہ تعلقات پر کوئی آنچ آسکے۔ ۲۵؍ستمبر ۲۰۱۰ء کو جب راجیہ سبھا کے رکن اور سابق مرکزی وزیر منی شنکر ائیر نے راجیہ سبھا میں ایک سوال پوچھا حکومت بتائے کہ کیا وہ اسرائیلی فوج کی جانب سے غزہ میں قتل کیے جانے والے نہتے شہریوں کی بڑی تعداد کو—گولڈ سٹون فیکٹ فائنڈنگ ٹیم کے مطابق حماس کی جانب سے مارے جانے والوں کے برابر خیال کرتی ہے؟ اس پر وزارت خارجہ نے اسے ایک ریاستی راز قرار دیتے ہوئے سوال کی اجازت نہیں دی۔ ۲۵؍ستمبر ۲۰۱۰ء کو منی شنکر ایئر نے انڈین ایکسپریس کو دئے انٹرویو میں اس سوال پر تنقید کرتے ہوئے کہا تھا کہ 'کب سے انڈیا اور فلسطین کے تعلقات ریاستی راز بن گئے ہیں؟ یہ بات بھی ذہن میں رہنی چاہیے کہ ہم فلسطینی مقصد کے بڑے چیمپین رہے ہیں۔'

خیال رہے کہ ۲۰۰۳ء میں شیرون کے تاریخی دورے سے قبل فنانشل ٹائمز نے اپنے ملک کے ہندوستان کے ساتھ روابط کو "دنیا کے خفیہ ترین روابط" کہہ کر بیان کیا تھا۔ گویا ہندوستان اور فلسطین کے تعلقات کو اسرائیل نگل گیا اب تو ہندوستان کے ساتھ صنعت و تجارت کے ساتھ دونوں کے مابین انٹیلی جنس کا تعاون اس تعاون سے کہیں زیادہ ہے جو ہندوستان اور امریکہ کے درمیان ہے۔ ہندوستان کے سیکڑوں خصوصی فوجی دستے اسرائیل میں تربیت حاصل کر چکے ہیں اسرائیل نے ہندوستان کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی کہ دونوں ممالک کے مسائل یکساں ہیں اس لیے دونوں کو یکساں پالیسی اپنانی ہوگی۔ آر ایس ایس کے سربراہ موہن بھاگوت بھی کئی بار اسرائیلی فوج کے طریقہ کار کی تعریف کرتے ہوئے ہندوستان کو اسرائیل سے سبق سیکھنے کی صلاح دے چکے ہیں۔ شاید یہ موہن بھاگوت کی نصیحت کا ہی جادو تھا کہ کانگریس نے ممبئی تاج ہوٹل حملہ کے بعد فوج کے خصوصی دستہ کو اسرائیل میں تربیت کے لیے بھیجا تھا حالاں کہ یہ زمینی سچائی ہے کہ دنیا بھر میں پھیلے دہشت گردی کے تمام تار خود اسرائیل سے ملتے ہیں۔ ممبئی حملہ میں بھی اسرائیل کا کردار رہا ہے جسے ملک کے میڈیا نے خاموشی کے ساتھ ہی سہی اجاگر ضرور کیا تھا۔

۲۰۰۳ء میں اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کے دورہ ہند کے دوران ان کے ڈپٹی، یوسف لپید نے میڈیا سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ عالمی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے انڈیا، اسرائیل اور امریکہ کے درمیان ایک "زبانی و تجریدی" محور تخلیق ہو رہا تھا۔ لپید نے صحافیوں کو آگاہ کیا تھا کہ "تینوں فریقوں کے مابین کسی رسمی معاہدے کی عدم موجودگی کے باوجود تینوں کے مشترکہ مفاد میں ہے کہ وہ دنیا کو سب کے لیے اور زیادہ محفوظ جگہ بنائیں۔ اس محور کی تشکیل کو امریکی حمایت حاصل ہے۔ لہٰذا تجریدی سطح پر ہم ایسا محور تشکیل دینے کے لیے کوشاں ہیں۔" اسرائیل کے ڈپٹی وزیر اعظم کی جانب سے ایسے محور کی تخلیق کے اعلان سے چار ماہ قبل ہی انڈین نیشنل سیکورٹی ایڈوائزر برجیش مشرا ایسے اتحاد کی تجویز دے چکے تھے۔ آٹھ مئی ۲۰۱۳ کو امریکہ کی یہودی کمیونٹی سے خطاب کرتے ہوئے مشرا نے کہا تھا کہ "امریکہ، اسرائیل اور انڈیا جیسی جمہوریتوں پر مبنی ایک 'قلب' کی تشکیل سے ہی دہشت گردی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ ایسا اتحاد

سیاسی منشا کا حامل ہوگا اور یہ دہشت گردی کی اکساد ینے والی کارروائیوں کا جواب دینے کے لیے بے باک فیصلے کر سکے گا۔انہوں نے اپنی بات میں وزن پیدا کرنے کے لیے یہاں تک کہہ دیا کہ "دہشت گردوں اور آزادی پسندوں کے مابین فرق ڈھونڈنا ایک بھونڈی منطق کا پروپیگنڈہ ہے یعنی ایک اور مغالطہ جس کا بڑا ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ بنیادی وجوہات کو ختم کر کے ہی دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑا جاسکتا ہے۔انڈیا، امریکہ اور اسرائیل دہشت گردی کا سب سے بڑا ہدف ہیں۔ان کا "مشترک دشمن" ہے اور انہیں "مشترکہ ایکشن" کی ضرورت ہے۔ جولائی ۲۰۰۲ء میں لال کرشن اڈوانی بھی اس قسم کے خیالات کا اظہار کر چکے تھے۔ انہوں نے فاکس نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ "اب تک ہونے والی دہشت گردی، جس کا ہم نے سامنا کیا ہے، اس کا منبع ایک ہے، اور اس ایک منبع کا کہنا ہے کہ امریکہ، اسرائیل اور انڈیا انکے سب سے بڑے دشمن ہیں۔"

اسے حالات کی ستم ظریفی سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے کہ کل تک ہندوستان جسے مظلوم سمجھتا رہا اور اس کے حق کی قسمیں کھاتا رہا اسی کے لیے وزارت خارجہ کا ترجمان ۲۰۰۲ء میں شمعون پیریز کے دورۂ ہند کے موقع پر 'سرحد پار دہشت گردی' کا لفظ استعمال کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ دہشت گردی کے اسرائیلی تجربہ سے سیکھنا ہندوستانیوں کے لیے بڑا فائدہ مند ہے۔

مودی حکومت کی جانب سے جب یہ طفلانہ فیصلہ صادر ہوا تو انصاف پسندوں کے ہوش اڑ گئے کہ اب انڈین پولیس سروس (آئی پی ایس) کے افسران بھی ٹریننگ کے لیے اسرائیل جائیں گے، مرکزی حکومت نے اسرائیل کے ساتھ باضابطہ معاہدہ کیا ہے جس کے تحت اسرائیل انٹیلیجنس کے افسران انڈین آئی پی ایس کو جرائم پر کنٹرول کے گُر سکھائیں گے۔یہ کتنی عجیب بات ہے کہ آج پوری دنیا میں اسرائیلی ظلم وستم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی جارہی ہے خود یہودی وعیسائی اس میں پیش پیش ہیں یہاں تک اسرائیلی وزیراعظم کے دورہ برطانیہ کے دوران ان کی گرفتاری کے لیے باضابطہ دستخطی مہم چلائی جارہی ہے لیکن اسرائیل کے خلاف جاری نفرت اس مضبوط کے باوجود ہندوستان کو اسرائیل سچا دوست اور ہمدرد نظر آرہا ہے جس پر وہ اپنا سب کچھ نچھاور کرنے کو تیار ہے۔

رنگ بدلتے رشتوں کے درمیان ایسا وقت بھی آیا جب ۲۰۰۹ء میں اسرائیل نے انڈین ہوم لینڈ سیکورٹی اور انسداد دہشت گردی میں تعاون کی پیشکش کی تو مہاراشٹر کی کانگریس حکومت نے ماہرین کے ایک وفد کو اسرائیل بھیجا تاکہ وہ عملی تجربہ حاصل کر سکے سابق وزیر مملکت برائے کامرس اور انڈسٹری نے فروری ۲۰۱۰ء میں تل ابیب میں ایک تجارتی گروپ سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ "اسرائیلی ہوم لینڈ سیکورٹی کا سسٹم انڈیا سے کہیں آگے ہے اور انڈیا کو آپ کے تجربے سے بہت فائدہ ہو سکتا ہے۔ہم دوست ملک اور تجارتی اتحادی ہیں، ہمارے تعاون کی بنیاد مضبوط بنیادوں پر استوار ہے۔ہمیں دہشت گردی کے عفریت سے نپٹنے کے لیے مکمل تعاون کی ضرورت ہے۔"

ہندوستان اور اسرائیل کی بڑھتی قربت کے پیش نظر ممکن تھا کہ لوگ فلسطین سے متعلق ہندوستان کے تعلقات پر حتمی رائے قائم کر لیتے اور ہندوستان کو فلسطین کے دشمنوں کی فہرست میں شامل کر لیتے عین اسی درمیان وزیراعظم منموہن سنگھ فلسطین اور ہندوستان کے تعلقات کو تاریخی قرار دیتے ہوئے اقوام متحدہ کی رکنیت کے لیے فلسطین کے دعوے کی بھرپور حمایت کا اعلان کر دیا ، منموہن سنگھ صدر محمود عباس کو ایک خط تحریر کیا جس میں کہا گیا تھا کہ ہندوستان نے ہمیشہ فلسطینی عوام کے جائز مقاصد کی حمایت کی ہے میں آپ کو اقوام متحدہ میں ہندوستان کی مکمل حمایت کا یقین دلاتا ہوں۔ہندوستان نے ہمیشہ ایک خود مختار، آزاد اور مستحکم فلسطینی ریاست کے قیام کی حمایت کی ہے جس کا دارالحکومت مشرقی یروشلم ہو اور جو واضح طور پر تعین شدہ سرحدوں کے اندر اسرائیل کے ساتھ امن کے ساتھ رہ سکے۔ وزیراعظم کے اس مکتوب کو اقوام متحدہ میں ہندوستان کے مستقل نمائندے ہردیپ سنگھ نے پڑھ کر سنایا تھا۔

ایک بار پھر مرکز میں بی جے پی کا قبضہ ہے اور اسرائیلی رشتوں میں مٹھاس لانے کی کوشش جاری ہے۔ مودی حکومت کی تشکیل کے بعد صدر جمہوریہ پرنب مکھرجی کو سویڈن، بیلاروس، اسرائیل اور نائجیریا اور افریقی ممالک کے دورہ کی فہرست بھیجی گئی تھی لیکن صدر جمہوریہ نے اسرائیل جانے سے انکار کر دیا اور فہرست میں فلسطین جانے کی شرط رکھی تھی۔ کانگریس میں اندرا گاندھی سے لے کر راہل گاندھی تک کی تین نسلوں کے ساتھ بطور سیاستدان کام کر چکے صدر پرنب مکھرجی کے اس اقدام کو ماہرین نے نہرو۔گاندھی کے نظریاتی فلسفہ سے جوڑ کر دیکھا تھا لیکن حالات اس نازک موڑ پر جہاں یورپین پارلیمنٹ سمیت دیگر یورپی ممالک یہودی ظلم وستم کے خلاف اسرائیل کو عالمی عدالت میں لانے کی مہم چلا رہی ہو؛ ہندوستان کا اقوام متحدہ میں ہونے والی ووٹنگ سے غیر حاضر رہنا انصاف پسندوں کو مایوس کر گیا۔ووٹنگ سے قبل اسرائیلی وزیراعظم اور نریندر مودی کے دور میان ہوئی گفتگو کے انکشاف کے بعد یہ پوری طرح واضح ہو گیا کہ فلسطین کے تئیں ہندوستان کی خارجہ پالیسی تبدیل ہو گئی ہے۔بابائے قوم گاندھی اور پنڈت نہرو جسے غاصب اور ظالم تصور کرتے تھے آج انہیں کے ملک کا وزیراعظم نظریاتی طور پر ان کا باغی ہو گیا ہے۔ہندوستان کو ہرگز یہ فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اسرائیل ایک دشمن قوم ہے اور وہ عالمی دہشت گردی کا جنم داتا ہے لہٰذا دوستی میں اس قدر ہوش نہ کھو بیٹھے۔وہ دوستی کی آڑ میں ملک کی سلامتی کو ہی رہن کے طور پر اپنے پاس رکھ لے۔اگر ایسا ہوا تو پھر ہندوستان کو دوسری مرتبہ گوروں کا غلام بننے سے کوئی نہیں روک سکتا۔اس لیے دانشمندی کا تقاضہ یہ ہے کہ ظلم وناانصافی کی شدت کے ساتھ مخالفت کی جائے، مظلوم اور سچ کی حمایت کی جائے اور یہی سیکولر ہندوستان کا وطیرہ رہا ہے۔ ☆☆

مخدوم الاولیا شیخ المشائخ

سید علی حسین اشرفی میاں رضی اللہ تعالیٰ عنہ

محمد نعیم انور عطاری

سرزمینِ ہند زمانۂ قدیم سے ہی علم وعرفان اور رشد وہدایت کی آماجگاہ رہی ہے، یہاں اولیاے کرام نے اپنے روحانی تصرفات اور روشن تعلیمات کے ذریعہ لوگوں کو عدل وانصاف، صداقت وامانت، حیا وپاکیزگی، خلوص واحسان، حلم وتواضع اور دیگر اخلاقِ حسنہ سے آراستہ فرمایا ہے۔ انھیں قدسی صفات ہستیوں میں قطب الارشاد شیخ المشائخ اعلیٰ حضرت سید شاہ ابواحمد علی حسین اشرفی جیلانی کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔

نام و نسب: سید علی حسین ابن سعادت علی ابنِ قلندر بخش ہے، بیس واسطوں سے آپ کا نسب غوثِ اعظم سے جاملتا ہے۔ آپ کا لقب "ہم شبیہِ غوثِ جیلانی، محبوب ربانی" اور کنیت "ابواحمد" ہے۔

ولادت: اعلیٰ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کی ولادتِ باسعادت ۱۲/ ربیع الثانی ۱۲۶۶ھ کو بروز شنبہ بوقت صبحِ صادق کچھوچھہ شریف، امبیڈکر نگر (یوپی) میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت: جب آپ کی عمر شریف چار برس چار مہینے چار دن کی ہوئی تو خاندانی روایت کے مطابق مولانا گُل محمد صاحب خلیل آبادی نے جو بڑے اہلِ دل اور عارفِ کامل تھے، آپ کی بسم اللہ کرائی۔ اس کے بعد مولوی امانت علی کچھوچھوی نے فارسی کی کتابیں پڑھائیں، بعد ازاں سلامت علی گورکھ پوری اور مولوی قادر بخش صاحب کچھوچھوی سے تعلیم پائی۔ ۱۶/ سال کی قلیل عمر میں علومِ ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ (وظائفِ اشرفی، ص:۷)

بیعت و خلافت: آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے برادرِ کبیر حضور سید شاہ اشرف حسین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت ہوئے اور آپ کو مختلف سلاسلِ حقّہ سے اجازت وخلافت حاصل ہوئی۔

۲۱/ برس کی عمر شریف میں آپ کے برادرِ کبیر ومرشدِ گرامی حضور اشرف الاولیا حضرت سید شاہ اشرف حسین قدس سرہٗ نے سجادگی کا عظیم منصب آپ کو عطا فرمایا اور مخدوم پاک کا خرقۂ مبارکہ عنایت فرمایا۔

حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ کو "شبیہِ غوث الثقلین" بھی کہا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت مجددِ دین وملت امام احمد رضا رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیر و مرشد حضور سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمہ نے آپ کو یہ خطاب دیا تھا۔ واقعہ کچھ یوں ہے:

اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کو جب یہ معلوم ہوا کہ ان کے پیر و مرشد حضرت آلِ رسول رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طبیعت زیادہ ناساز ہے تو آپ خود بغرضِ عیادت مارہرہ مطہرہ تشریف لے گئے، حضرت آلِ رسول علیہ الرحمہ نے اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی کو دیکھ کر فرمایا کہ میرے پاس سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امانتِ خاص ہے جسے اولادِ غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں شبیہِ غوث الثقلین مولانا سید شاہ ابواحمد محمد علی حسین اشرفی جیلانی کچھوچھوی کو سونپنا ہے اور وہ اس وقت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیا چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانے پر ہیں۔ محرابِ مسجد میں ملاقات ہوگی۔"

چنانچہ اعلیٰ حضرت محدث بریلوی علیہ الرحمہ دلی تشریف لائے۔ حضرت محبوبِ الٰہی کے آستانہ پر حاضری دی پھر مسجد میں تشریف لائے تو واقعی پیر کی نشان دہی کے مطابق حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کو محرابِ مسجد میں پایا اور عرضِ مدعا کیا۔ حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے مارہرہ مطہرہ میں حاضری دی۔ حضرت سید آلِ رسول علیہ الرحمہ نے سلسلہ عالیہ کی اجازت وخلافت بخشی اور فرمایا کہ "جس کا حق تھا اس تک یہ امانت پہنچا دی" اس کے بعد حضرت اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے "خاتم الخلفا" کہلائے۔

حضور شیخ المشائخ اشرفی میاں علیہ الرحمہ کے دینی کارنامے روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔ آپ نے سیکڑوں غیر مسلموں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا، ہزارہا بندگانِ خدا کو حلقۂ ارادت میں داخل فرما کر ان کے ایمان وعقیدے کا تحفظ فرمایا۔ آپ ہی کے مبارک عہد میں سلسلۂ اشرفیہ ہند وبیرون ہند پھیلا اور دنیا "خانقاہ کچھوچھہ" سے واقف ہو سکی۔ آپ نے تاحیات دار العلوم اہلِ سنت مدرسہ اشرفیہ مصباح العلوم مبارک پور کی سرپرستی فرمائی اور اس کی بنیاد آپ ہی نے رکھی۔ حضور اشرفی میاں علیہ الرحمہ نے چاندی کی کرنی سے اس کی بنیاد رکھی اور فرمایا کہ "فقیر نے اپنی کرنی تو کرلی اب تم لوگ اپنی اپنی کر کے دکھاؤ۔" اس کے علاوہ آپ نے بے شمار مدارس اسلامیہ کی بنیاد رکھی، وہابیت

ونجدیت کے خلاف مناظرے کیے۔ دین وسنیت کے تحفظ کے لیے انگنت تنظیمیں قائم کیں، اشرفی پریس اور اشرفی لائبریری کی بنیاد رکھی اور شدّھی تحریک اور فتنۂ ارتداد کا انسداد فرمایا۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے محبوبِ نظر ہونے کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ آپ محبوب سبحانی غوثِ اعظم شیخ محیُ الدین عبدالقادر جیلانی کے ہم شکل وہم شبیہ تھے۔ آپ کی سیرت میں محبوب یزدانی غوث العالم سید اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا جلوہ اور صورت میں محبوبِ سبحانی غوثِ اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نقشہ صاف نظر آتا تھا۔

آپ علیہ الرحمۃ کے ارادت مندوں کی تعداد تقریبًا ۲۳؍ لاکھ اور خلفاکی تعداد تقریبًا ساڑھے تیرہ سو ہے۔

آپ نے کل چار حج کیے، اس کے علاوہ بغرض استفاضہ اور بحکمِ خدا "سیروفی الارض" مصروشام، بیت المقدس، کربلائے معلی، حامہ شریف اور حمص شریف وغیرہا مقاماتِ مقدسہ کی سیاحت فرمائی اور وہاں کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہوئے۔

اہلِ علم وفضل کی نظر میں:

اعلیٰ حضرت فاضلِ بریلوی علیہ الرحمۃ

اشرفی اے رخت آئینۂ حسنِ خوباں
اے نظر کردہ و پروردۂ سہ محبوباں

"حضرت مولانا سید ابواحمد علی حسین اشرفی جیلانی ان لوگوں میں ہیں جن کا وعظ میں سنتا ہوں، حضرت کا وعظ شریعت کے موافق اور اس کی پوری پابندی کے ساتھ ہوتا ہے۔"

حضرت عبدالقادر بدایونی علیہ الرحمۃ:

"جن کو شبیہِ غوثِ اعظم کو دیکھنے کی تمنا ہے وہ آپ کو دیکھے۔"

سید محمد جعفر شاہ پھلواروی علیہ الرحمۃ:

"میں نے ان جیسا حسین ووجیہ اور نورانی صورت والا کوئی شیخ نہیں دیکھا۔"

حضرت وارث علی علیہ الرحمۃ:

"ایسا امام میسر ہو تو میں بھی جماعت سے نماز پڑھوں۔"

مولانا سید آلِ حسن اشرفی علیہ الرحمۃ:

"آپ کے خوارق وعادات جو اخلاقی صفات میں مضمر ہیں، کرامتوں کی طرح مشہور ہیں، بلکہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے انسانی کمالات نے آپ کو پیکرِ تسخیر بنادیا ہے۔"

صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مرادآبادی علیہ الرحمۃ:

راز وحدت کھلے نعیم الدین
اشرفی کا یہ فیض تجھ پر ہے

اعلیٰ حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں علیہ الرحمۃ کے ارشادات:

۱. انسان کو چاہیے کہ وہ موت کو ہمیشہ یاد رکھے کہ یہ نفس کی تمام برائیوں کا علاج ہے۔
۲. انسان نفس کی خواہش پوری کرنے میں مصروف ہے اور نفس اسے برباد کرنے میں لگا ہے۔
۳. جب کوئی ظلم کرتا ہے تو مظلوم کی دنیا خراب کر دیتا ہے اور اپنی آخرت تباہ کرتا ہے۔
۴. عاقل انسان پہلے دل سے پوچھتا ہے پھر زبان سے نکالتا ہے۔
۵. انسان کا سب سے بڑا دشمن اس کا نفس ہے۔
۶. انسان حق تعالیٰ سے کم سے کم اتنا شرمائے جتنا اپنے دیندار پڑوسی سے۔
۷. انسان کو چاہیے کہ دوسروں کے عیب ڈھونڈنے کے بجائے اپنے عیبوں کو تلاش کرے۔
۸. مخلوق کے ساتھ محبت اور ان کی خیر خواہی کرے۔
۹. نعمت تھوڑی ہو یا زیادہ اس پر اللہ کا شکر واجب ہے۔
۱۰. مسند ارشاد پر بیٹھنے اور بیعت لینے کا حق اسی کو ہے جو اپنی آنکھوں سے جتنا آگے دیکھتا ہے اتنا ہی پیچھے بھی دیکھتا ہو۔
۱۱. اللہ کی یاد میں لگے رہو، دھیرے دھیرے ایک دن ضرور بگڑی بن جائے گی۔
۱۲. طالبانِ حقیقت جب تک اپنے مرشد سے والہانہ عقیدت اور فدائیانہ محبت نہ رکھیں گے فیض یاب نہ ہوں گے اور نہ ہی کبھی منزل پاسکیں گے۔
۱۳. جب تک کسی طالب میں "انا" باقی ہے وہ کبھی باکمال نہ ہوگا۔
۱۴. کسی تکلیف میں بھی نماز ترک نہ کرو، ورنہ قربِ الٰہی حاصل نہ کر سکوگے۔
۱۵. عارف کی ذرا سی غلطی اسے عرش سے تحت الثریٰ میں پہنچا دیتی ہے، لہٰذا ہر لغزش سے بچنا چاہیے۔
۱۶. جب کوئی سب کچھ ہونے کے باوجود یہ سمجھے کہ میں کچھ نہیں تو وہی کامران ہوگا۔ (ماخوذ از فیضان حضور اشرفی میاں، ص:۱۶۸)

مفتیِ اعظم نیپال، علامہ مفتی محمد اشرف القادری علیہ الرحمہ

ایک جامع کمالات شخصیت

ولادت: ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۲ء - وفات: ۲۶/ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ/۲۵/جنوری ۲۰۱۷ء

مولانا مفتی محمد رضا قادری، مصباحی

پس منظر: نیپال براعظم وسط ایشیا کے جنوب میں دو عظیم ملکوں، ہندوستان اور چین کے بیچ کوہ ہمالہ کے دامن میں واقع چاروں طرف سے خشکی سے گھرا ہوا قدرتی حسن و جمال، دلکش مناظر، دشت و کہسار اور وادی پر مشتمل ایک چھوٹا سا ملک ہے جو شمال میں $28°00'N$ (اٹھائیس درجے، صفر دقیقہ) خط عرض (Latitude) اور مشرق میں $84°00'E$ (چوراسی درجے، صفر دقیقہ) خط طول (Longitude) کے درمیان واقع ہے۔[۱] اس کا رقبہ ۱۴۷۱۸۱/ مربع کیلو میٹر ہے[۲] اور دار الحکومت کاٹھمنڈو ہے۔ شمال کی طرف سے اس کی سرحد تبت سے ملتی ہے جو چین کے ماتحت ہے اور جنوب، مشرق و مغرب میں ہندوستان سے ملتی ہے۔ قدرتی طور پر یہاں کی زمین تین حصوں میں منقسم ہے، ہمالی، پہاڑی اور ترائی (میدانی)۔

نیپال دنیا کے نقشہ پر شروع ہی سے ایک منفرد ملک رہا ہے۔ اس کی تاریخ، شجاعت و بہادری اور حب الوطنی کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کی تاریخ نئی نہیں بلکہ بہت پرانی ہے، اتھروید سے لے کر پران اور کوٹلیا کے ارتھ شاستر[۳] سے لے کر سمدر گپت الہ آباد کے کتبات تک سب میں نیپال کا ذکر آیا ہے۔ جہاں یہ سرزمین معدنیات و نباتات اور جڑی بوٹیاں پیدا کرنے کے لیے مشہور ہے وہیں اس سرزمین نے بڑے بڑے مذہبی پیشوا اور مصلحین پیدا کیے ہیں۔ سدھارتا گوتم بدھ، مہرشی بالمیکی گوپیسوری، ویپسوی، گانڈا، کوتیک، کپل اور گارگی جیسے رشی منیوں کا تعلق نیپال ہی سے تھا۔[۴] نیپال عہد قدیم سے ہی ہندو اکثریت والا ملک رہا ہے جہاں ہزاروں خداؤں کی پرستش اب بھی کی جاتی ہے۔ بلکہ دنیا میں یہ مندروں کے شہر سے متعارف ہے۔ ایک زمانہ تک یہ خالص کفرستان اور کفر و شرک کا مرکز رہا۔ لیکن فتح ہند کے بعد جب ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد ہوئی تو اسلام کی کرنیں پڑوسی ملک نیپال پر بھی پڑنے لگیں۔ اور ہند میں مسلمانوں کے دور حکومت میں بہت سے مسلم مبلغین اور صوفیا کرام نے دعوت و تبلیغ، ریاضت و مجاہدہ، اور یاد الٰہی میں مستغرق رہنے کے لیے نیپال کے کوہستانی علاقوں کو اپنا گوشۂ عزلت بنایا۔ اور برسہا برس یہاں کے جنگلوں میں رہ کر ریاضت و مجاہدہ کیا۔ ان اولیاے کرام کے انفاس قدسیہ کی برکت سے یہاں کی ظلمت کافور ہوئی اور شمع اسلام فروزاں ہوا۔

تاریخ شاہد ہے کہ سید شاہ داتا گدا علی شاہ ایرانی ثم کاشغری، قدوۃ الواصلین سید احمد بدیع الدین حلبی طیفوری شامی قطب المدار (۲۴۲ھ-۸۳۸ھ)[۵] سلطان المحققین حضرت مخدوم جہاں شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری (۶۶۱ھ-۷۸۲ھ) شہباز ولایت، حضرت مخدوم شعیب فردوسی، خلیفۂ مخدوم جہاں (۶۸۸ھ-۸۲۴ھ)[۶] سلطان ہمدان، سید مخدوم احمد چرمپوش تیغ برہنہ ہمدانی، سہروردی (۶۵۷ھ-۷۷۶ھ)[۷] شہنشاہ نیپال سید مسکین شاہ قادری، سہروردی، نقشبندی (م: آٹھویں صدی ہجری)،[۸] سید شاہ غیاث الدین کشمیری خواہرزادہ سید مسکین شاہ سہروردی، مولانا شاہ خیر الدین کشمیری منعمی خلیفۂ مخدوم منعم پاک پٹنہ[۹] سے لے کر فخر العارفین سید شاہ فخر الدین اندرابی (م ۱۲۹۶ھ) و سید شاہ قمر الدین اندرابی[۱۰] و سید السادات حضرت سید شاہ علی حسین اشرفی میاں کچھوچھوی (۱۲۶۶ھ-۱۳۵۵ھ)[۱۱] علیہم الرحمۃ و الرضوان تک ہر بزرگ نے اپنے اپنے عہد میں نیپال کی سیاحت فرمائی اور اپنے وجود سے اس کو فیضیاب کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج نیپال میں ہر طرف اسلام کی بہاریں نظر آتی ہیں۔ انھیں صوفیاے اسلام کے سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی، عزۃ الاسلام، عمدۃ المحققین، زبدۃ العارفین، مفتی اعظم نیپال، اشرف العلماء، حضرت مفتی محمد اشرف القادری النوری التیغی خلیفہ حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قادری قدس سرہما تھے۔

اشرف العلماء، ملک نیپال کی ایک انتہائی عبقری شخصیت کا نام ہے۔ آپ ایک بلند پایہ محقق، تجربہ کار مصنف، کہنہ مشق مدرس، صاحب طرز ادیب، نازک خیال شاعر، فقہ حنفی کے جزئیات پر عمیق نگاہ رکھنے والے مفتی، منطق و فلسفہ کی زلف برہم سنوارنے والے مدقق، اور بادہ خواران معرفت کو جام عرفان پلانے والے شیخ طریقت تھے۔

اشرف العلما کی ولادت: آپ کی ولادت ہند و نیپال کی سرحد پر واقع ترائی نیپال کی مردم خیز بستی "نینھی" ضلع مہوتری میں ایک اندازہ کے مطابق ۱۳۷۴ھ میں ہوئی۔ آپ کا خانوادہ شروع سے ہی معزز اور متمول رہا۔ آپ کے خاندان کے مورث اعلیٰ، لالی میاں مرحوم، شجاعت و بہادری، حمیت دینی اور شوکت دنیوی کے ساتھ پچاس بیگھ آراضی کے مالک تھے۔ گورکھا شاہی عہد میں تین بادشاہوں کے زمانہ میں تحصیلدار کے عہدہ پر فائز رہے۔

تعلیم و تربیت: ابتدائی تعلیم مقامی مکتب میں حاصل کی۔ متوسطات کی تعلیم مدرسہ رضویہ شمس العلوم باڑا، ضلع سیتامڑھی میں اپنے وقت کے بہت بڑے صوفی عالم دین، سند الواصلین برہان المتقین، شمس الاولیا، حضرت مولانا شاہ شمس الحق علیہ الرحمۃ (۱۹۳۳ء-۲۰۰۱ء) خلیفہ حضور مفتی اعظم ہند سے حاصل کی۔ یہاں آپ کی مدت قیام تین سال رہی۔ اس کے بعد شمالی بہار کی عظیم

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور- salicraza73@gmail.com

درسگاہ الجامعۃ القادریہ، مقصود پور، مظفر پور تشریف لائے اور کامل تین سال رہ کر عالمیت تک کی تعلیم حاصل کی۔ یہاں آپ نے براہ راست، خلیفۂ حضور مفتیٔ اعظم ہند، جامع معقولات و منقولات حضرت شیر بہار مفتی محمد اسلم قادری نوری قدس سرہ کی خدمت میں رہ کر بہت ہی انہماک کے ساتھ اپنی تعلیم مکمل کی۔ یہاں آپ کے رفقائے درس میں صوفی باصفا حضرت مولانا محمد قمر عالم صاحب، شیخ الحدیث، دار العلوم علیمیہ جمداشاہی، بستی بھی شامل تھے۔

جامعہ اشرفیہ میں داخلہ: علم کی پیاس نے درجات عالیہ کی تکمیل کے لیے، ۱۳۹۲ھ میں ہندوستان کی عظیم دانش گاہ، الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور آنے پر مجبور کیا۔ اس وقت جامعہ اشرفیہ کی تعلیمی دھمک سن کر ملک کے ہر کونے سے طلبہ کشاں کشاں چلے آرہے تھے اور بحمد اللہ یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔ یہاں آپ نے حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی قدس سرہ سے جلالین شریف، حضرت قاضی شفیع احمد مبارک پوری سے ملاحسن اور شرح عقائد نسفی، محدث کبیر، حضرت علامہ ضیاء المصطفیٰ قادری سے مشکوٰۃ شریف، مختصر المعانی، اور میر زاہد، حضرت مولانا اسرار الحق سے ہدایہ پڑھی اور حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کی مجلسی گفتگو اور تقریروں سے استفادہ کیا۔ آپ کا شمار جامعہ اشرفیہ کے قابل فخر فرزندوں میں ہوتا ہے۔ مکمل ایک سال تک آپ نے خرمن حافظ ملت سے خوشہ چینی کی۔

جامعہ اشرفیہ کے دور طالب علمی کا ایک یادگار مناظرہ:

آپ کی ذکاوت و فطانت اساتذہ کے درمیان مشہور تھی۔ اپنی غیر معمولی ذہانت اور صلاحیت سے آپ نے اساتذہ کے دلوں میں اپنے لیے جلد ہی جگہ بنالی۔ کاتب سطور سے آپ کے صاحبزادۂ گرامی قدر مولانا محمد صدر عالم تیغی نے بیان کیا کہ مجھ سے میرے والد اشرف العلما نے بیان کیا کہ اشرف العلما کی طالب علمی کے زمانہ میں ایک استاذ نے اپنی نگرانی میں مناظر اہل سنت حضرت مفتی عبد المنان کلیمی (مفتی شہر مرادآباد) اور مفتی اشرف القادری علیہ الرحمہ کے درمیان سنی و دیوبندی کے درمیان مابہ النزاع مسئلہ سرکار کا علم غیب کلی ہے یا جزئی پر ایک مناظرہ کروایا۔ سنی مسلک کے نمائندہ کے طور پر مفتی اشرف القادری کا انتخاب ہوا۔ جب کہ دیوبندی موقف کی نمائندگی مفتی عبد المنان کلیمی کے ذمہ تھی۔ مباحثہ کا یہ سلسلہ اتنا طول پکڑا کہ قصبہ کے بعض دیوبندیوں کو اس کی خبر لگ گئی اور وہ اس مناظرہ کو سننے کے لیے جامعہ آگئے۔ تب مناظرہ ختم کردینے کا اعلان کیا گیا اور کہا حقیقتاً جیت مولانا اشرف القادری ہی کی ہوئی لیکن میں نے حکمتاً یہ اعلان کیا کہ مولانا عبد المنان کلیمی جیت گئے۔

جامعہ اشرفیہ کی تعلیم کے زمانہ میں ہی آپ نے جامع معقولات و منقولات حضرت علامہ معین الدین خان فتح پوری علیہ الرحمہ کا علمی شہرہ سنا تھا، جو اس وقت جامعہ عربیہ سلطان پور کے شیخ الحدیث تھے۔ اور وہاں جانے کا قصد کرلیا۔ بقول مولانا محمد صدر عالم عن ابیہ، جب حضور حافظ ملت کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ نے فرمایا بیٹا تم یہیں محنت سے پڑھو۔ میں تمھیں جامعہ ازہر مصر بھیج دوں گا۔ اور جب پڑھ کر آؤ گے تو یہیں جامعہ اشرفیہ میں پڑھانے کے لیے رکھوں گا۔ لیکن آپ کے سر میں ایک ہی سودا سمایا ہوا تھا کہ علامہ معین الدین خان سے پڑھنا ہے۔ کچھ خانگی معذرت کے ساتھ حضور حافظ ملت سے سلطان پور جانے کی اجازت لی۔ اور وہاں ۲-۳ سال رہ کر کسب علم کیا۔ علامہ معین الدین خان فتح پوری سے جو اس زمانہ میں یکتائے روزگار تھے، بخاری شریف کا درس لیا اور امام المنطق والکلام خواجۂ علم وفن خواجہ مظفر حسین رضوی، پرنوی علیہا الرحمہ سے بیضاوی شریف وغیرہ پڑھی۔ ماہ شعبان ۱۳۹۴ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

رفقائے درس: یہ پتہ لگانا مشکل امر ہے کہ کون لوگ آپ کے رفقائے درس تھے، البتہ چند مشاہیر علما کے نام یہ ہیں:

۱- حضرت مولانا محمد قمر عالم شیخ الحدیث، دار العلوم علیمیہ، جمداشاہی، بستی، یوپی۔ آپ مقصود پور میں ساتھ رہے -۲- شہزادۂ حضور حافظ ملت، مولانا شاہ عبد الحفیظ صاحب قبلہ، سربراہ اعلی جامعہ اشرفیہ، مبارکپور-۳- حضرت مولانا سید اصغر امام قادری امجھری، پرنسپل مدرسہ فاروقیہ، بنارس-۴- مولانا مفتی حافظ معین الدین اشرفی، سنبھلی-۵- مولانا نور عالم مصباحی، سابق صدر المدرسین، مدرسہ فیض العلوم، جمشید پور، جھارکھنڈ

مذکورہ بالا حضرات مبارکپور میں آپ کے رفقائے درس رہے۔

تدریسی خدمات: فراغت کے بعد آپ کی تقرری بحیثیت مدرس، نیپال کی ایک معروف دینی درس گاہ، مدرسہ اصلاح المسلمین بھمر پورہ، ضلع مہوتری میں ہوئی، جہاں آپ نے از ابتدا تا مشکوٰۃ و ہدایہ و جلالین کا درس دیا۔ تشنگان علوم کو سیراب کیا، پھر دار العلوم قادریہ رشیدیہ جلیشور، مہوتری میں بحیثیت پرنسپل و مفتی دار الافتا، برسہا برس تک کام کیا، اس کے بعد صدر المدرسین و مفتی کی حیثیت سے شمالی بہار کی بافیض درس گاہ، جامعہ مدینۃ العلوم پھکولی شریف (ضلع مظفر پور) ۱۴۱۶ھ تک قرآن وحدیث، فقہ و تفسیر، منطق و کلام کا درس دیا۔ اسی زریں عہد میں آپ نے تصنیف و تالیف کا بیشتر کام کیا۔ اس ادارہ کے بانی آپ کے مرشد اجازت حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تھے۔

بیعت و خلافت: مدرسہ رضویہ شمس العلوم میں طالب علمی کے زمانہ میں مدرسہ رضاء العلوم کنہواں (ضلع سیتا مڑھی) میں ۱۳۸۹ھ میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے تاجدار اہل سنت، حضور مفتی اعظم ہند علیہ الرحمہ تشریف لائے تھے، وہیں آپ نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ایک دن میں ۱۴۳/ بار آپ کو اپنے مرشد کے ہاتھ پر تجدید بیعت کا شرف حاصل ہے۔ ۷/ ربیع الآخر ۱۴۰۵ھ میں جلالۃ الارشاد، حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قادری، خلیفۂ سرکار سرکانہی نے سلسلۂ عالیہ قادریہ، آبادانیہ، تیغیہ کی اجازت و خلافت مرحمت فرمائی۔ ۱۴۰۹ھ میں جلالۃ الارشاد کے حکم سے دوبارہ دار العلوم قادریہ رشیدیہ

جلیشور کو رونق بخشی اور سالہا سال علم وادب سے پورے خطہ کو سیراب کیا۔ ادارہ کو عروج وارتقا کی منزل تک پہنچایا۔ ۱۴۳۰ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت سے بہرہ ور ہوے۔

امانت شرعیہ وخانقاہ قادریہ تیغیہ کا قیام: دار العلوم رشیدیہ سے مستعفی ہونے کے بعد آپ نے اپنے وطن مالوف میں امانت شرعیہ کے نام سے ایک دار الافتا والقضا قائم کیا، جہاں سے ملک وبیرون ملک سے آے ہوے سوالات کے جوابات دیے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی تصوف وطریقت کی تعلیم کو عام کرنے اور سلسلے کی توسیع کے لیے خانقاہ بھی قائم کی۔ آپ کی یہ مختصر خانقاہ، تصنیف وتالیف، رشد وہدایت اور ذکر وفکر سب کی مرقع ہے۔ راقم سطور کے استفسار پر مفتی صاحب نے فرمایا کہ میرے ہاتھ پر ابھی تک ۵۰۰۰ کے قریب لوگ داخل سلسلہ ہو چکے ہیں۔ مختلف علاقوں میں آپ کا دعوتی وروحانی سفر ہوتا رہتا تھا۔

تصنیفی خدمات: اشرف العلما کو اللہ تعالیٰ نے قلم سیال کی زبردست قوت سے نوازا تھا۔ جس موضوع پر بھی لکھا خوب لکھا۔ آپ کی تحریر میں موضوعات وافکار کا تنوع، بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ شعر وادب، سیرت وسوانح، منطق وفلسفہ، تفسیر وحدیث، درس نظامی کی بہت سی ادق کتابوں پر حاشیہ نگاری اور فقہ وفتاوی جیسے موضوعات پر ۳۳/ کتابیں آپ کی وسعت علمی، فقہی تبحر، ژرف نگاہی اور دقیقہ سنجی پر شاہد عدل ہیں۔ آپ کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب کی فہرست ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) کفر اور اسلام، مطبوعہ (۲) مسلک محققین، مطبوعہ (۳) فکر بلند، مطبوعہ (۴) حجاز کا ماہ کامل، مطبوعہ (۵) الشرح النوری بشرح عقائد النسفی، مطبوعہ (۶) عشق رسول (شعری مجموعہ)، مطبوعہ (۷) اصول فقہ، غیر مطبوعہ (۸) فلسفہ، غیر مطبوعہ (۹) مناظرہ رشیدیہ کا خلاصہ، غیر مطبوعہ (۱۰) بریلی اور بریلویت، غیر مطبوعہ (۱۱) الحجۃ القاہرہ، غیر مطبوعہ (۱۲) مصباح الدجی، مطبوعہ (۱۳) رد غیر مقلدیت، مطبوعہ (۱۴) رد شیعہ، رافضی، غیر مطبوعہ (۱۵) محفل میلاد النبی ﷺ، غیر مطبوعہ (۱۶) النبی المختار (عربی)، غیر مطبوعہ (۱۷) الآدب المختار (عربی)، غیر مطبوعہ (۱۸) شرح قافیہ، نصف، غیر مطبوعہ (۱۹) روشن چراغ کشمیر، غیر مطبوعہ (۲۰) سیرت خلیفہ اللہ الاعظم، مطبوعہ (۲۱) العلم والعقل، غیر مطبوعہ (۲۲) الامام الاعظم، غیر مطبوعہ (۲۳) فتاوی امانت شرعیہ نیپال، غیر مطبوعہ (۲۴) اسلام اور قومیت، غیر مطبوعہ (۲۵) مصطلحات حدیث، غیر مطبوعہ (۲۶) گنگوہی کا عجائب خانہ، غیر مطبوعہ (۲۷) رسالہ سراپا رحمت عالم، غیر مطبوعہ (۲۸) شذرات الذہب، غیر مطبوعہ (۲۹) المختارات، غیر مطبوعہ (۳۰) ترجمہ التعریفات الجرجانیہ، غیر مطبوعہ (۳۱) الفیض السماوی علی البیضاوی سورۃ البقرہ مکمل (اردو زبان میں بیضاوی شریف کی شرح، فل اسکیپ سائز میں ۱۲۰۰ صفحات پر)، غیر مطبوعہ (۳۲) مجدد الف ثانی وامام احمد رضا (۳۳) صدرامت، غیر مطبوعہ۔

حضرت اشرف العلمانے ربیع الاول ۱۴۳۷ھ کو راقم سطور کو اپنے فتاوی کے کئی رجسٹر اور مخطوطات معاینہ کرائے اور فرمایا: تقریبًا ایک ہزار سے زائد فتاوی ہم نے لکھے ہیں، عنقریب ان شاء اللہ ان کو شائع کیا جائے گا۔ میں اپنے ناقص مطالعہ اور مشاہدہ کی روشنی میں اگر یہ کہوں کہ مفتی اشرف القادری قدس سرہ اس وقت نیپال کی سب سے زیادہ کتابیں لکھنے والی شخصیت کا نام ہے تو یہ مبالغہ نہیں، بلکہ حقیقت پر مبنی ہوگا۔ آج اگرچہ ان کی ذات اور خدمات دینی کا کماحقہ اعتراف نہیں کیا جارہا ہے لیکن آنے والے دنوں میں ان کی ذات، اہل علم وقلم اور ارباب فکر وتحقیق کا مرکز ہوگی اور ان کو قرار واقعی خراج عقیدت پیش کیا جاے گا۔ میں ذاتی طور پر ان کی بے نفسی منکسر المزاجی، خلوت پسندی اور شہرت وتصنع اور ریا سے دوری کے سبب کافی متاثر ہوا، میری نگاہ میں اس وقت وہ ملک نیپاک کی سب سے قدآور علمی شخصیت تھے جنھوں نے تن تنہا کنج خمولی میں بیٹھ کر اسباب ووسائل کی پروا کیے بغیر عشق جنون خیر کے سہارے اتنا بڑا علمی وتصنیفی کام کر دیا کہ پوری جماعت اہلِ سنت اور نیپال کی آنے والی نسلیں ان پر فخر کرتی رہیں گی۔

مناظرہ اور رد بدمذہباں: آپ جہاں ایک عظیم فقیہ تھے وہیں بہت بڑے مناظر بھی تھے۔ بڑے منطقی اور فلسفی تھے۔ آپ کے معقولی ہونے پر آپ کی کتاب العلم والعقل شاہد ہے۔ جب آپ فارغ ہوکر تشریف لائے تو علاقہ میں، بالخصوص بہار کے بہت سے علاقوں میں وہابیت ودیوبندیت پنپ رہی تھی۔ آپ کو جہاں بھی معلوم ہوا آگے بڑھ کر ان فتنوں کی بھرپور سرکوبی کی۔

اسمدیبا، جھارکھنڈ کا مناظرہ: مولانا محمد صدر عالم نے مجھ سے بیان کیا کہ میرے والد اشرف العلمانے مجھ سے جھارکھنڈ کے مناظرہ کی روداد اس طرح بیان کی۔

آج سے ۲۲ سال قبل جھارکھنڈ میں واقع اسمدیبا (asimdeba) نام کی بستی میں سنیوں اور دیوبندیوں کے درمیان ایک مناظرہ رکھا گیا۔ اس مناظرہ کی سرپرستی سنیوں کی طرف سے میرے مرشد اجازت خلیفۂ حضرت شاہ تیغ علی قدس سرہ حضرت صوفی شاہ محمد نمازی قدس سرہ فرمارہے تھے۔ علما میں مولانا قمر الدین نعیمی بھی موجود تھے۔ دیوبندی علما بڑی تعداد میں جمع ہوئے۔ میرے مناظرہ گاہ میں پہنچنے کے بعد سارے دیوبندی علما ایک ایک کر کے بھاگ گئے۔ کسی کو میدان مناظرہ میں آنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ صوفی شاہ نمازی کو دیکھ کر وہ لوگ اور بھی مرعوب ہوئے۔ اس گاؤں کے دیوبندیت زدہ لوگوں نے سرکار شاہ نمازی کے دست اقدس پر توبہ کیا اور مرید ہوکر اہلسنت وجماعت میں داخل ہوگئے اور فتح کی یادگار کے طور پر ہم لوگوں نے مدرسہ فیض الرضا کی بنیاد رکھی۔

موتیہاری، بہار میں سلفیوں سے مناظرہ: مجھ سے مولانا صدر عالم نے بیان کیا جو اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہیں کہ آج سے ایک سال قبل کی

بات ہے۔ رانی گنج، پٹھان ٹولی، موتیہاری میں ۷۰۰ گھر کی مسلم آبادی ہے۔ وہاں کے سارے لوگ پہلے سنی ہی تھے۔ چند دہائیوں سے وہابی مولویوں کی دعوت سے متاثر ہوکر بہت سے افراد بلکہ تقریباً پورا ہی گاؤں وہابیت زدہ ہوگیا تھا۔ کافی سالوں پہلے مولانا محمد اسلم صاحب امجدی ساکن رانی گنج، پٹھان ٹولی، ضلع موتیہاری کے والد جو ان دنوں وہابیت سے متاثر تھے بیمار پڑے اور تعویذ لینے کے لیے اشرف العلما کی بارگاہ میں آئے۔ حضرت نے فرمایا: تعویذ اس شرط پر دوں گا کہ ٹھیک ہوجانے کے بعد سنی بن جاؤ گے۔ انھوں نے کہا ٹھیک ہے۔ اللہ کے فضل سے وہ ٹھیک ہوگئے اور سنی بن گئے۔ اشرف القادری علیہ الرحمہ نے ان کے صاحبزادہ مولانا اسلم امجدی کو پہلے جامعہ غوثیہ احسن البرکات، کاٹھمنڈو پھر جامعہ امجدیہ گھوسی بھیج دیا۔ وہ وہاں سے فارغ ہوکر گھر آئے، انھوں نے حق و باطل کے امتیاز کے لیے گاؤں میں ایک پروگرام رکھا اور اشرف العلما کو مدعو کیا ساتھ ہی وہابی مولویوں کو بھی ماحول کے اعتبار سے دعوت دینی پڑی۔ آپ نے شرط رکھی کہ وہابی مولوی اگر آئے گا تو تقریر نہیں کرسکتا۔ اسٹیج پر دونوں طرف کے علما پہنچے۔ ایک بڑے وہابی مولوی نے اصرار کیا کہ مجھے بھی بولنے دیا جائے۔ آپ نے کہا ٹھیک ہے بولو اور کاغذ قلم لے کر بیٹھ گئے۔ اس کی ایک ایک غلطی کو نوٹ کرتے رہے۔ جب اس کی تقریر ختم ہوئی تو آپ کھڑے ہوئے اور گاؤں کے لوگوں سے مخاطب ہوکر فرمایا: اہل پٹھان ٹولی بتاؤ! آپ کے آبا و اجداد بیٹھ کر سلام پڑھتے تھے یا کھڑے ہوکر؟ سب نے بیک زبان کہا کھڑے ہوکر۔ آپ نے کہا اب بیٹھ کر کیوں پڑھتے ہو! تو لوگوں نے جواب دیا جب سے یہ نئے نئے مولوی پڑھ کر آئے ہیں نئے نئے قانون نکالتے چلے جارہے ہیں۔

وہابی مولوی نے تقریر میں کہا تھا قرآن نے ماں باپ کے حقوق بیان کیے ہیں۔ باپ کا حق ۲۵٪ ماں کا حق ۷۵٪ ہے آپ نے اس کا رد بلیغ کیا اور کہا لوگو! یہ قرآن و حدیث کی بولی نہیں ہے بلکہ یہ اس مولوی کی اپنی ایجاد ہے۔ راوی محمد صدر عالم کہتے ہیں کہ اس کے بعد اشرف العلما نے اتنے زور دار انداز میں کھینچ کر اس وہابی مولوی کو تھپڑ رسید کیا کہ وہ اسٹیج سے نیچے گر پڑا۔ مجمع پر ہیبت طاری ہوگئی۔ آپ کی جلالت علمی اور رعب فاروقی کو دیکھ کر ایک مولوی اسٹیج کے پیچھے سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ پھر گرجدار انداز میں للکارتے ہوئے ان وہابیوں کے گندے اور کفری عقائد کو عوام کے سامنے رکھا۔ آپ کی تقریر و تبلیغ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ پوری آبادی سنیت میں بدل گئی۔ سب نے صلوۃ و سلام پڑھا۔ جب روانہ ہونے لگے تو ان لوگوں نے مولانا صدر عالم سے درخواست کی، حضرت کو روک لیجیے ہم لوگ مرید ہونا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے اصرار پر ایک دن اور آپ نے وہاں قیام کیا۔ وہ پوری آبادی آپ کے دست اقدس پر مرید ہوگئی۔ اس گاؤں کے سب سے بڑے زمیندار جو پچاس .بیگھ زمین کے مالک ہیں وہ بھی آپ کے ہاتھ پر مرید ہوئے۔ چھ ماہ بعد آپ نے دوبارہ وہاں کا سفر کیا اور ایک مدرسہ قائم کیا جس کا نام دار العلوم امام احمد رضا رکھا۔

اصلاح و ارشاد: اللہ تعالیٰ نے انھیں جتنی زندگی بخشی تھی اس کو انھوں نے کام میں لگادیا۔ تصنیفی، تالیفی اور تدریسی مصروفیات خود اپنی جگہ بہت بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ اس کے باوجود وہ قوم مسلم کی رہنمائی، وعظ و نصیحت اور سلسلۂ قادریہ تیغیہ کی توسیع کے لیے ہمیشہ مصروف سفر رہے۔ کاٹھمنڈو، دھنگڑھی، اٹھہری، دھران، لہان، جنکپور، اور مہیندر نگر اور نیپال کے بہت سے شہر و دیہات کا آپ نے دورہ کیا اس کے علاوہ ہندوستان میں آسنسول، بردوان، رانچی، کلکتہ، ممبی، دہلی، لدھیانہ، بنگلور، اور کیرلا آپ کی دعوت و تبلیغ اور اصلاح و ارشاد کے اہم مراکز رہے ہیں، ان میں بیشتر مقامات پر آپ کے مریدوں کی اچھی خاصی تعداد پائی جاتی ہے۔

اتحاد ملت کانفرنس، کاٹھمنڈو کی صدارت: مولانا صدر عالم خلف اکبر اشرف العلما کا بیان ہے کہ آج سے ۷ سال پیشتر کاٹھمنڈو کی سرزمین پر ایک عظیم الشان اتحاد ملت کانفرنس کا انعقاد عمل میں آیا تھا۔ اس کانفرنس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس کو براہ راست ٹیلی ویژن چینلز کے ذریعہ پوری دنیا میں نشر کیا گیا تھا۔ مقرر خصوصی کی حیثیت سے غازی ملت سید محمد ہاشمی میاں کچھوچھوی اور مہمان خصوصی کے طور پر شہزادۂ حضور حافظ ملت، حضرت مولانا شاہ عبد الحفیظ دامت برکاتہم العالیہ، سربراہ اعلیٰ الجامعۃ الاشرفیہ مبارکپور موجود تھے۔ اس جلسہ میں ایک تخمینہ کے مطابق ۵ لاکھ لوگوں نے شرکت کی تھی۔ ۶۲ لاکھ روپے اس پر خرچ کیے گئے تھے۔ اس کانفرنس کی صدارت کا مسئلہ سب سے مشکل تھا۔ منتظمین جلسہ کی رائے ہوئی اس جلسہ کی صدارت وہ کرے گا جو نیپال کا سب سے بڑا عالم ہوگا۔ ایک عظیم شخصیت کی طرف بعض لوگوں کی نظر انتخاب اٹھی، پھر سید سلیم شاہ کشمیری نے کہا اگر ان سے بھی کوئی بڑا عالم مل جائے تو ان کو کون سا عہدہ دیا جائے گا۔ سب نے کہا ان کو عہدۂ صدارت پیش کیا جائے گا۔ پھر انھوں نے آپ کے نام کا اعلان کیا اور کہا کہ ان کی علمی و قلمی خدمات پورے نیپال کے علما میں سب سے زیادہ ہیں۔ سارے لوگوں نے آپ کو صدر جلسہ بنانے پر اتفاق کرلیا۔ اور آپ ہی کی صدارت میں یہ تاریخی جلسہ انجام خیر تک پہنچا۔

اشرف العلما: اکابر اہلسنت کی نظر میں

حضور حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مرادآبادی قدس سرہ کی نگاہ میں: اگرچہ اس کی صراحت نہیں ملتی کہ آپ نے حضور حافظ ملت سے کوئی کتاب پڑھی یا نہیں، تاہم یہ ضرور ہے کہ آپ ان کی مجلسی گفتگو سے خوب استفادہ کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور حافظ ملت بھی انھیں خوب چاہتے تھے۔ ان کی ذہانت و فطانت کو دیکھ کر ایک بار حضور حافظ ملت نے ارشاد فرمایا تھا: بیٹا میں تمھیں اعلی تعلیم کے لیے مصر بھیج دوں گا۔ اور جب وہاں

سے پڑھ کر آؤ گے تو اپنے مدرسہ کا مدرس بناؤں گا۔

ثقہ لوگوں سے سنا گیا ہے کہ ایک بار حضور حافظ ملت نے طلبہ کی جماعت سے پیشانی کی تعریف پوچھی تھی۔ سب نے الگ الگ اپنے انداز میں جواب دیا۔ آپ کی تعریف سن کر حضور حافظ ملت بہت خوش ہوئے۔

حضرت بحر العلوم مفتی عبدالمنان اعظمی قدس سرہ کی نظر میں:

آپ نے حضرت بحر العلوم سے زمانۂ اشرفیہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔ اسی وقت سے ان کی نگاہ میں اتنے مقبول ہوگئے تھے کہ ان کا نقش عمر بھر ان کے لوح ذہن پر مرتسم رہا۔ مولانا صدر عالم کا بیان ہے کہ میرے زمانۂ طالب علمی میں والد گرامی مدرسہ شمس العلوم تشریف لائے۔ حضرت بحر العلوم علیہ الرحمہ کافی کمزور تھے اور چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ اشرف العلما ان سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے جونہی ان کے چہرے پر نگاہ پڑی حضرت بحر العلوم کھڑے ہوگئے اور سلام و مصافحہ کے بعد ان کو باصرار اپنے بغل میں بٹھالیا۔

اس سے بخوبی ظاہر ہوتا ہے کہ بحر العلوم کی نگاہ میں آپ کی کیا قدر تھی۔ مولانا صدر عالم کا بیان ہے کہ ایک بار مدرسہ قادریہ رشیدیہ، جلیشور، نیپال کے لیے ایک مدرس کی ضرورت تھی۔ مدرس کے لیے ایک ذمہ دار شخص حضرت بحر العلوم کی بارگاہ میں گھوسی پہنچے اور مدعا پیش کیا۔ آپ نے پوچھا اس سے پہلے کون وہاں صدر المدرسین تھے انھوں نے کہا مفتی اشرف القادری۔ آپ نے فرمایا وہی اشرف القادری جو مہوتری نیپال کے ہیں۔ انھوں نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا انھوں نے وہاں سے کیوں استعفیٰ دیا؟ انھیں کو دوبارہ وہاں بلاؤ میں ان کے جیسا مدرس تمھیں نہیں دے سکتا۔

شیر بہار مفتی محمد اسلم قادری نوری کی نظر میں: شیر بہار، آپ کے درجات متوسطات کے استاذ تھے۔ اور عمر میں بھی بہت بڑے تھے۔ لیکن ایک استاذ اگر اپنے شاگرد کو اعلیٰ القاب و آداب کے ساتھ یاد کرے تو یہ یقینا بہت بڑے شرف کی بات ہے۔ مولانا صدر عالم تیغی کا بیان ہے کہ حضرت شیر بہار جب بھی اشرف العلما کا تذکرہ کرتے تو فرماتے: "حضور اشرف العلما"۔ حضور کے لفظ سے آپ کو یاد فرماتے۔ الشرح النوری بشرح عقائد النسفی پر تقریظ لکھتے ہوئے اس انداز میں آپ ان کی گوناگوں خوبیوں کا تذکرہ فرماتے ہیں:

چونکہ شارح موصوف کی علمی نشو و نما میں جامعہ قادریہ مقصود پور اکا دخل ہے اور میں نے جامعہ کے ابتدائی دور میں ان کے اندر جو علمی مذاق پیدا کرنے کی سعی کی تھی۔ بحمد اللہ تعالیٰ اس کی نشانیاں، ان کی گوناگوں صلاحیتوں سے ظاہر ہو رہی ہیں۔ اور انھوں نے نیپال کی سرزمین پر ایک کہنہ مشق مدرس، تجربہ کار مصنف اور ایک عظیم مفتی و قاضی کی حیثیت سے اپنی خوبصورت شناخت قائم کرلی ہے۔

وہ ایک اچھے شاعر اور پیر طریقت بھی ہیں۔ میرا وجدان گواہی دیتا ہے کہ ان کا فکری و فنی اثاثہ ضرور آنے والی نسلوں کے لیے چراغ راہ ثابت ہوگا"۔ مولانا صدر عالم کا بیان ہے کہ حضرت شیر بہار نے الشرح النوری دیکھنے کے بعد فرمایا تھا: یہ امانت شرعیہ ہے اور علامہ مفتی اشرف القادری امین شریعت ہیں، عقائد کے اعتبار سے اور اعمال کے اعتبار سے بھی۔

عمدۃ المحققین علامہ محمد احمد مصباحی کی نگاہ میں: اشرف العلما کی ایک عمدہ کتاب "حجاز کا ماہ کامل" جو عمدہ ادبی اسلوب میں شان مصطفی ﷺ کو بیان کرتی ہے۔ اس پر تقریظ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

زیر نظر کتاب متعدّد مقامات سے دیکھی۔ مولانا اشرف القادری نے عشق رسالت کی شمع دلوں میں فروزاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ انداز بیان کی دلکشی، اشعار کی اثر آفرینی، اقوال علما سے تائیدات کی فراہمی یہ ساری باتیں اس مقصد جمیل کی تحصیل میں محترم مؤلف کی مساعی حسنہ کو کامیاب بناتی ہے۔ (حجاز کا ماہ کامل، ص ۳۔ مرقومہ ۱۷ر صفر ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۸ر ستمبر ۱۹۸۹ء)

شیر نیپال حضرت مفتی محمد جیش برکاتی کی نظر میں: اشرف العلما اور شیر نیپال کے درمیان علمی روابط اچھے تھے۔ بہت سے مسائل میں ان کا اتفاق بھی ہوتا اور کسی میں اختلاف بھی۔ اس کے باوجود دونوں ایک دوسرے کے وقار منصبی کا خوب خیال رکھتے تھے۔ مولانا صدر عالم تیغی زید مجدہ نے مجھ سے بیان کیا کہ روضہ شریف میں عرس اولیاے نیپال کے موقع پر مفتی محمد اشرف القادری کی تقریر کے بعد شیر نیپال نے اپنا تاثر اس انداز میں پیش کیا کہ مفتی اشرف القادری کو حضور مفتی اعظم ہند نے اپنی نگاہوں سے پلادیا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا واقعہ: مولانا صدر عالم زید مجدہ نے بیان کیا کہ اشرف العلما کی نماز جنازہ سے ایک دن قبل جمعرات کو حضرت شیر نیپال، اشرف العلما کے گھر والوں کو تعزیت پیش فرما کر کبلاسا، نیپال کی ایک محفل میلاد میں تشریف لے گئے۔ کبلاسا سے نماز جنازہ پڑھنے کے لیے آنے والے لوگوں کا بیان ہے کہ شیر نیپال دام ظلہ نے لوگوں سے بیان فرمایا: نیپال کے سب سے بڑے عالم فوت ہوگئے۔ آپ لوگ زیادہ سے زیادہ تعداد میں ان کی نماز جنازہ میں شرکت کیجیے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اشرف العلما اور شاعری: یہ اشرف العلما کی امتیازی شان ہے کہ بیک وقت آپ کا قلم سیال نثر و نظم دونوں میدانوں میں رواں دواں نظر آتا ہے۔ آپ نے اپنے افکار کی ترسیل، سوز دل، جذب دروں اور لطیف خیالات کے اظہار کے لیے شعر و سخن کا راستہ اختیار کیا۔ جان جاناں کا جب بھی خیال آیا تو آپ کے پاکیزہ اور ستھرے خیالات شعری قالب میں ڈھلتے چلے گئے۔ آپ نے نعتیہ، غزلیہ، مدحیہ ہر صنف سخن میں شاعری کی ہے۔ رباعی و قطعات بھی لکھے ہیں آپ کی شاعری تمام ترفنی لطافتوں کے ساتھ شرعی نزاکتوں کی آئینہ دار ہوا کرتی تھی۔ تلمیح و ترشیح، اور استعارہ و تشبیہات کا انوکھا استعمال آپ کے کلام میں

دیکھنے کو ملتا ہے۔ چند اشعا بطور نمونہ ملاحظہ کریں۔

کسے معلوم کہ شان رخ شمس الضحی کیا ہے
جمال روئے محبوبِ کی آخر انتہا کیا ہے
برستی ہے سحاب نور بن کر کشت ظلمت پر
تعالی اللہ گیسوئے محمد کی گھٹا کیا ہے
بلال و بوذر و سلمان و حیدر سے کوئی پوچھے
ترے عشاق کا دنیا میں انداز وفا کیا ہے
جسے نیند آگئی اشرف شہ عربی کے دامن میں
اسے کیا فکر کہ ہنگامۂ روز جزا کیا ہے
(عشق کی محفل ص ۵-۸)

آپ کا ایک شعری مجموعہ "عشق کی محفل" طبع ہوکر شائقین فن سے خراج تحسین وصول کر چکا ہے۔

دور طالب علمی کا ایک حیرت انگیز واقعہ: جس زمانہ میں آپ مقصود پور میں زیر تعلیم تھے امتحان کے لیے مفتی اعظم کانپور، حضرت مفتی رفاقت حسین اشرفی علیہ الرحمۃ تشریف لائے اور مفتی اشرف القادری علیہ الرحمۃ کی جماعت کے طلبہ کا امتحان لیا۔ مولانا صدر عالم کا بیان ہے کہ میرے والد نے مجھ سے بیان کیا۔

میں نے صحیح طور پر عبارت پڑھی، مگر حضرت مفتی اعظم کانپور نے دوسرا اعراب بتایا اور میرے پڑھے ہوئے کو غلط ثابت کیا۔ ممکن ہے یہ امتحان کی غرض سے ہو۔ میں نے اپنے موقف کی تائید میں بہت سے دلائل پیش کیے یہاں تک کہ بحث کافی طول پکڑ گئی۔ اتنے میں حضرت شیر بہار تشریف لے آئے اور فرمایا: بڑے آدمی ہیں رہنے دو۔

اس واقعہ سے یہ اظہر من الشمس ہوجاتا ہے کہ آپ کی پیشانی پر بلندیِ اقبال کا ستارہ ابتداے عمر سے ہی جگمگا رہا تھا۔ شیخ سعدی کے اس شعر۔

بالاے سرش ز ہوشمندی می تافت ستارۂ بلندی

کے آپ حقیقی مصداق تھے۔ ان تمام بزرگوں کے علاوہ حضرت قائد اہل سنت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمۃ والرضوان آپ کی صلاحیتوں کے معترف اور مداح تھے۔ جب بھی مظفر پور کے علاقہ میں آنا ہوتا تو جامعہ مدینۃ العلوم پھکولی شریف میں ضرور قیام کرتے۔

مسائل فقہیہ و کلامیہ میں آپ کو تبحر حاصل تھا۔ پیچید سے پیچیدہ مسئلہ لمحوں میں حل فرمادیتے۔

مولانا عبد الخالق ساکن پھلہر پرسا، ضلع مدھوبنی، بہار کو ایک مسئلہ میں بہت ہی زیادہ تردد ہوا۔ وہ مسئلہ یہ تھا، ہر بچہ فطرت اسلام پر کیسے پیدا ہوتا ہے؟ اس کے لیے انھوں نے بریلی شریف اور مبارکپور کا سفر کیا اور اجلہ علما سے دریافت کیا لیکن ان کی سمجھ میں یہ مسئلہ نہیں آیا۔ انھیں خیال آیا کہ مفتی اشرف القادری سے اس کو دریافت کرنا چاہیے۔ حاضر ہوئے اور مسئلہ دریافت کیا: حضرت اشرف العلما نے ایک منٹ میں اس حدیث کی ایسی تشریح کردی کہ اس کو ان کے دل و دماغ میں اتار دیا۔ اور وہ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ اللہ نے انھیں کتنا علم دیا ہے!

میرا علم ساتویں آسمان پر ہے: مولانا صدر عالم تیغی خلف اکبر کا بیان ہے کہ حضرت اشرف العلما جب کبھی جذب و حال اور صوفیانہ رنگ میں ہوتے تو فرماتے: کسی عالم کا علم پہلے آسمان پر ہوتا ہے، کسی کا دوسرے آسمان پر، کسی کا تیسرے آسمان پر، کسی کا چوتھے آسمان پر، کسی کا پانچویں آسمان پر، کسی کا چھٹے آسمان پر اور کسی کا ساتویں آسمان پر اور میرا علم ساتویں آسمان پر ہے۔

علم دوستی: وفات سے ایک سال قبل کاتب سطور آپ کی عیادت کے لیے اپنے والد گرامی حضرت مولانا محمد عیسیٰ برکاتی صاحب دامت برکاتہم کی معیت میں حاضر ہوا۔ دیکھا کہ اس ضعف و نقاہت کے باوجود کتابوں کا انبار لگائے ہوئے چٹائی پر بیٹھے ہیں اور شرح بیضاوی کا املا کرا رہے ہیں۔

انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں سارا کام تن تنہا انجام دے رہے ہیں۔ خانقاہ کے تین کمرے ہیں جن میں دو کمروں میں بچوں کی تعلیم ہوتی ہے اور ایک کمرہ آپ کے لیے مخصوص ہے۔ وہی آپ کا دار الافتاء والقضا بھی ہے اور لائبریری بھی وہی آپ کی آرامگاہ بھی ہے اور وہی درسگاہ بھی۔ نہ کوئی معاون نہ کوئی شریک عمل، نہ کوئی کمپوزنگ اور تبییض و تصحیح کرنے والا آدمی۔ مسودہ کو مبیضہ بھی خود ہی کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کیا حضرت! کسی باصلاحیت عالم کو یہاں کیوں نہیں رکھ لیتے؟ وہ کمپوز بھی کردے گا اور آپ کے کاموں میں ہاتھ بھی بٹائے گا۔ آپ نے جواب دیا: ان کو ہم تنخواہ کہاں سے دیں گے؟

افسوس ہے اس قوم پر جو اپنے اسلاف کو صرف مرنے کے بعد یاد کرتی ہے۔ جو اپنے ہیروؤں کو مرنے کے بعد گلہاے عقیدت پیش کرتی ہے۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اگر انھیں زندگی میں وسائل و اسباب اور سہولیات فراہم ہوجاتیں تو کئی سو کتابیں تن تنہا لکھ سکتے تھے۔ نہ جانے ہم نے کس طرح ان بیش قیمت ہیروں کو کھو دیا ہے۔ جو عالم نما شخص قوم کو بیوقوف بنا کر اس کے پیسے کا بے دریغ غلط استعمال کرتا ہے قوم اس پر سب کچھ نثار کردیتی ہے۔ لیکن جو عالم ربانی اپنی خودداری، اور عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے کسی کے سامنے زبان نہ کھولے اس کی طرف یہ بے حس قوم پلٹ کر بھی نہیں دیکھتی۔ اللہ انھیں عقل سلیم عطا کرے۔ اس میں ہمارے طبقہ علما کا بھی قصور ہے۔

اشرف العلما کا سفر آخرت: آپ نے وصال سے دو دن قبل اپنے بڑے صاحبزادے مولانا صدر عالم قادری تیغی کو بتادیا تھا کہ فلاں دن میرا انتقال ہوجائے گا اور وصیت بھی کردی کہ نماز جمعہ کے بعد میری تدفین کی جائے۔ آپ نے وصال سے پہلے جو وصیتیں فرمائیں وہ یہ ہیں:

وصال سے دو روز قبل فرمایا: میرا کفن لے آؤ۔ اور کفن سب سے قیمتی کپڑے کا ہونا چاہیے کیمری کا کرتہ اور نینسوٹ کا ازار لایا گیا۔ فرمایا میں انتقال

کر جاؤں تو میرے جسد خاکی کو تخت پر نہیں رکھنا بلکہ ایک چٹائی بچھا دینا۔ میری ایک چادر چٹائی پر بچھا دینا اور ایک چادر اوڑھا کر ڈھنک دینا۔ فرمایا: جب کوئی بڑا عالم انتقال کر جاتا ہے تو اس کے سر پہ عمامہ باندھ دیا جاتا ہے۔ مگر میری وصیت یہ ہے کہ اگر چاہو تو زیارت کراتے وقت عمامہ باندھ دینا، لیکن قبر میں رکھنے کے بعد عمامہ اور ٹوپی اتار کر اپنے پاس رکھ لینا۔ میں عاجزی و انکساری کے ساتھ اپنے رب کے حضور جانا چاہتا ہوں۔

وصال سے پونے دو گھنٹہ قبل آپ کو پیاس لگی۔ فرمایا پانی لاؤ، ہاتھ بڑھا کر پانی لیا پھر رکھ دیا۔ اس وقت آپ ننگے سر تھے۔ پہلے سر پہ کپڑا رکھا پھر پانی نوش فرمایا۔ یہ ہے شریعت پر استقامت کہ مرتے دم تک آپ نے سنت کو ترک نہ کیا۔ جب کہ لوگ اس عالم میں حواس باختہ ہو جاتے ہیں۔ انھیں کچھ بھی خیال نہیں رہتا۔ لیکن آپ کو اللہ نے عالم ربانی بنایا تھا اور شریعت کا محافظ بنا کر بھیجا تھا۔ آپ کیوں کر اپنے آقا کی سنت کو پامال کرتے۔ ۲۵/ جنوری شبِ چہار شنبہ کو ۲۶/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ / ۲۰۱۷ء ایک بج کر ۳۶ منٹ پر روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نماز جنازہ اور تدفین: آپ کے وصال کی خبر بجلی کی طرح از شرق تا غرب اور شمال تا جنوب، ملک و بیرون ملک میں پھیل گئی اور لوگوں کا ہجوم، انسانوں کا سیلاب، آپ کی زیارت کے لیے امنڈتا ہوا نینھی کی سرزمین پر آنے لگا۔ ۲۸/ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ / ۲۷/ جنوری ۲۰۱۷ء کو بعد نماز جمعہ آپ کی نماز جنازہ حسب وصیت آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد صدر عالم قادری تیغی، ناظم اعلی امانت شرعیہ، نیپال نے پڑھائی۔

نماز جنازہ میں اتنی بھیڑ نیپال کی تاریخ میں کسی جنازہ میں نہیں دیکھی گئی۔ نیپالی اخبار، گورکھا پتر" نے ان کی تعداد ڈھائی لاکھ جب کہ روزنامہ انقلاب، بہار نے ڈیڑھ لاکھ بیان کی اور کاتب سطور اپنے محتاط اندازہ کے مطابق لکھتا ہے کہ شرکاے جنازہ کی تعداد لاکھ کے قریب تھی۔ کم یا زیادہ۔ اس جنازہ کی شان ہی سب سے الگ رہی۔ اشرف العلما کی نماز جنازہ میں شرکت کے لیے لوگ کاٹھمنڈو، دھن گڑھی، دھران، لہان، مہیندر نگر، اٹھری، جنکپور، آسنسول، بردوان، رانچی، کلکتہ، لدھیانہ، بنگلور، دہلی، ممبئی، کیرلا، مظفر پور، دربھنگہ پورے بہار و نیپال اور نہ جانے کہاں کہاں سے آئے۔

کس نے اتنے لوگوں کو آپ کے وصال کی خبر دی؟ یہ یقینا بارگاہ رب العزت میں آپ کی مقبولیت اور محبوبیت کی دلیل ہے۔ جو مقبولیت ان کو حیات میں نہ ملی تھی بعد وفات توقع سے کہیں زیادہ ملی۔ دوسری خصوصیت اس جنازہ کی یہ تھی کہ اس میں ۵ ہزار سے زائد علما، حفاظ و قرا اور ائمہ مساجد کی تعداد تھی۔ بلکہ ہر چہار جانب علما ہی کے قافلے نظر آ رہے تھے۔ کون شریک ہوئے کون شریک نہیں ہوئے کسی کو معلوم نہیں۔ تا حد نگاہ، انسانوں کا انبوہ کثیر نظر آتا تھا۔

جن لوگوں کے اسما معلوم ہو سکے ہیں ان میں مفتی حامد القادری مظفر پور، مفتی شمیم رضا مصباحی، مفتی رحمت علی مصباحی، مہتمم جامعہ عبد اللہ بن مسعود، کلکتہ، حضرت مفتی عبدالمنان کلیمی (مرادآباد) حضرت مولانا سعید حسن خان، سیتامڑھی، مفتی فاروق، جھریا بلرام پور، مفتی ہاشم رضا مظفر پور کے اسما سرفہرست ہیں۔ ترائی نیپال کے تقریبا سارے علما نے شرکت کی۔

مضمون ضرورت سے زیادہ طویل ہو گیا اور بفضل اللہ ایک ہی نشست میں پورا مضمون مکمل ہوا۔ یہ اشرف العلما علیہ الرحمۃ کی روحانیت ہی ہے جو اس فقیر بے بضاعت سے یہ کام لے رہی ہے۔ اخیر میں اس شعر پہ مضمون تمام کرتا ہوں۔

ابر رحمت تیری مرقد پر گہرباری کرے
حشر تک شانِ کریمی ناز برداری کرے

مراجع و مصادر

(۱) اطلس العالم۔ اشراف و مراجعہ ابراہیم حلیمی الغوری۔ ص: ۶۸، دار الشرق العربي للطاعۃ والنشر، ۲۰۰۶م۔ (۲) ۱- نفس مصدر۔ ص ۶۸

۲- Muslim of Nepal, Shamima Siddiqua –

۳- نیپال کا جغرافیہ و تاریخ، حصہ اول۔ حفیظ الرحمٰن علیگ۔ ۱۹۹۸ء

(۳) Ancient Nepal, Dr. Regmi, page: 18- published in 2007

(۴) نیپال میں اردو زبان و ادب۔ ڈاکٹر نسیم احمد نسیم۔ مطبوعہ ۲۰۰۹ء

(۵) تاریخ مدار عالم، مؤلفہ مولانا سید محضر علی و قاری مداری۔ ۲۰۱۰ء۔

(۶) ۱- وسیلۂ شرف، مؤلفہ مولانا سید فرزند علی منیری۔ ص ۲۲-۲۳۔ مطبوعہ ۱۳۱۳ھ از مطبع احسن، پٹنہ۔

۲- گل فردوس در احوال خواجگان فردوس ص ۲۲۰۔ مطبوعہ ۱۳۰۱ھ / ۱۸۸۴ء از مطبع نامی منشی نول کشور، لکھنؤ۔

(۷) تذکرہ مخدوم سید سلطان شاہ احمد چرمپوش۔ ص ۴-۵۔ (فارسی) قلمی مخطوطہ مرقومہ ۱۲۸۷ھ از سید شاہ محمد نور سہروردی

(۸) پندرہ روزہ رفاقت۔ شمارہ ۹۔ جلد ۴۔ یکم مئی ۱۹۸۴ء

(۹) تالیف محمدی (فارسی) خدا بخش اورینٹل لائبریری۔ پٹنہ

(۱۰) ۱- اسوۂ حسنہ۔ (غوث بنگالہ) از شاہد حسین عظیم آبادی، طبع ثانی ۱۹۸۲ء

۲- غوث بنگالہ۔ از مفتی عبدالواجد صاحب، ہالینڈ۔ ۲۰۱۶ء۔

(۱۱) بروایت قائد ملت، سید محمود اشرف اشرفی کچھوچھوی۔ سجادہ نشیں خانقاہ اشرفیہ حسینیہ سرکار کلاں۔

(۱۲) الشرح النوری بشرح عقائد النسفی۔ مصنفہ مفتی اشرف القادری۔ ص ۸۔

مرقومہ: ۲۰/ ربیع الاول ۱۴۳۲ھ

نوٹ: مجلہ "الھادی"، نیپال کی جانب سے عرس چہلم کے موقع پر اشرف العلما نمبر شائع کیا جا رہا ہے۔ اہل علم و قلم اپنے مضامین اور تاثراتی کلمات درج ذیل پتے پر ارسال کریں۔ Email:(1)alhadimagazine@gmail.com

(۲)mhbarar@gmail.com....mob.9871958169

یادیں

حضور حافظِ ملت اور اخلاص وللّٰہیت

محمد کلیم اشرف رضوی

حضور حافظِ ملت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (ولادت: ۱۸۹۴ء/وصال ۱۳۱ مئی ۱۹۷۶ء) بانی الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ، بیسویں صدی عیسوی کی یگانۂ روزگار اور جامع صفات شخصیت کا نام ہے۔ آپ نے مومنانہ فکر و بصیرت اور خلوص وللّٰہیت کے ساتھ ملت کی صلاح وفلاح، اسلام وسنیت کے تحفظ وبقااور دینی علم وتہذیب کے فروغ و ارتقا کے لیے جو تاریخ ساز اور گراں قدر کارنامے انجام دیے، وہ اہلِ سنن کے افقِ قلب پر ستاروں کی طرح جگمگا رہے ہیں۔

آپ کی انقلابی شخصیت وہ ہے جس نے افکار کے زاویے بدلے، صحیح رخ پر سوچنے سمجھنے پر آمادہ کیا، تنظیمی شعور عطا کیا، مثبت اور سنجیدہ فکر بخشی اور ملتِ اسلامیہ کے لیے کچھ کر گزرنے کا جذبہ عطا کیا۔

حافظِ ملت، ملت کے اس پاسبان کا نام ہے جس کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ملت کی حفاظت وصیانت میں گزرا، جس نے ملت کی حفاظت فرمائی، تقریر سے، تحریر سے، تدریس سے، مناظرہ کے ذریعہ، احقاقِ حق و ابطالِ باطل سے، اپنی زندگی کو اسوۂ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ڈھال کر، اپنی درس گاہِ علم وادب سے جلیل القدر علما، اساتذہ، خطبا، اصحابِ قلم، مناظرین، متکلمین، مفسرین، محدثین، منتظمین اور اصحابِ افتا پر مشتمل ایک خدائی گروہ بنا کر، خانقاہوں میں بیٹھ کر، جامعہ اشرفیہ کی بنیاد رکھنے کے ساتھ اس کے لیے زندگی وقف کر کے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ ملت کے حافظ نے ملت کی حفاظت فرمائی ہر اس موثر ذریعہ کو استعمال فرما کر جو ملت کی حفاظت کے لیے لازمی وسیلہ تھا۔

آئیے درج ذیل سطور میں آپ کے اخلاص وللّٰہیت پر مبنی چند حقائق کی ایک مختصر سی جھلک دیکھتے چلیں، جو آپ کے مخلصانہ جذبے کی منظرکشی کرتے ہیں۔

دعوت و تبلیغ میں حافظِ ملت کا مخلصانہ کردار: اللہ رب العزت نے حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ کو اخلاص وللّٰہیت کا وہ جذبہ عطا فرمایا تھا، جو ہر کسی کے حصے میں نہیں آتا۔ اپنے لیے تو ہر کوئی کام کرتا ہے، مال و دولت لٹاتا ہے، اور بعض مقام پر جان تک کی بازی لگا دیتا ہے، لیکن حضور حافظِ ملت جو بھی کام کرتے فقط رضائے الٰہی کی خاطر۔ آپ اپنی دولت، وقت، صلاحیت، یہاں تک کہ خود کو بھی رب کی خوشنودی کی خاطر لٹا دینے کو ہی اپنی تقدیر کی معراج سمجھتے تھے۔ جس کی ایک دو مثال میں پیش کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مبارک پور آنے سے پیش تر آگرہ جیسے عظیم شہر سے سو روپے ماہوار اور کولکاتا جیسے مشہور و معروف شہر سے پانچ سو روپے ماہانہ پیش کش تھی، مگر آپ نے دونوں مقامات کو پسند نہیں فرمایا اور مبارک پور صرف ۳۵/ روپے مشاہرہ پر تشریف لائے۔ قدرت جب کسی سے عظیم کام لینا چاہتی ہے تو اسے غیر معمولی ایثار و قربانی کا پیکر بنا دیتی ہے، حافظِ ملت کے اندر یہی وہ اخلاص وایثار کا جذبہ تھا، جس نے ان سے وہ کام لیا جو ہزاروں کی جماعت بھی انجام نہیں دے سکتی۔ کہاں ۳۵/ روپے اور کہاں ۵۰۰/ روپے۔ گویا چودہ گونا زیادہ تنخواہ اور وہ بھی معروف شہر کی جگہ۔ اسے چھوڑ کر وہ مبارک پور کے دیہات میں کیوں کر تشریف لے آئے، خدا جانے وہ مبارک پور کی مٹی میں کیا دیکھ رہے تھے، شاید وہ یہ محسوس کر رہے تھے کہ آگرہ اور کولکاتا جیسے شہروں میں دولت و ثروت تو اکٹھا کر سکتا ہوں، لیکن نونہالانِ امت کے لیے وہاں جامعہ اشرفیہ کی عمارتوں کی تعمیر نہیں کر سکتا۔ یہ کام تو اسی مبارک پور کی دھرتی پر پایۂ تکمیل کو پہنچنے والا ہے۔ اسی مبارک پور کی مٹی سے علم و حکمت کے شرارے پھوٹیں گے، اور شرق و غرب کو روشنی و درخشندگی عطا کرتے چلے جائیں گے۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، مبارک پور، مارچ ۲۰۱۵ء، ص: ۲۸، ۲۹)

۱۹۷۲ء میں مدرسہ شمس العلوم مہندوپار ضلع بستی کے زیر اہتمام ایک جلسہ ہوا۔ عدیم الفرصتی کے باوجود مدرسہ کی ضروریات کے مدنظر حضور حافظِ ملت نے دعوت قبول فرمالی۔ راستے کی مشقتوں کو جھیلتے ہوئے آپ مہنداول پہنچے، لیکن سب سے زیادہ تکلیف دہ اور صبر آزما سفر کا آغاز اب ہوتا ہے۔ مہنداول سے مہندوپار کا ۸/ میل دیہاتی کچا راستہ طے کرنے میں جوانوں کو پسینہ آجاتا ہے، لیکن حیرت ہے حافظِ ملت کے بڑھاپے پر کہ نہایت ہی خندہ پیشانی سے یہ پریشان کن سفر سائیکل پر بیٹھ کر طے فرمایا، جب کہ منتظمینِ

جلسہ سواری کے انتظام کے درپے تھے۔ پچاس روپیہ کرایہ سن کر حافظِ ملت نے فرمایا کہ ہم سائیکل پر بیٹھ کر چلنا پسند کریں گے، بلا وجہ مدرسہ کا پچاس روپیہ خرچ کرنا پسند نہیں۔ چناں چہ آپ نے اس شان سے راستہ طے فرمایا کہ آپ کی جبینِ استقلال پر ذرہ برابر بھی شکن نہ آنے پائی۔

(حافظِ ملت نمبر، ص:۵۰۹)

سبحان اللہ یہ حافظِ ملت کا اخلاص ہے کہ اپنی جان کی پروانہ کرتے ہوئے خلوص وللّٰہیت کا مظاہرہ فرما رہے ہیں تاکہ مدرسے کی رقم بچ جائے اور کسی اور جگہ خرچ ہو۔ اس طرح کے بے شمار مقامات پر حافظِ ملت کے اخلاص وللّٰہیت کا جذبۂ دروں دیکھنے کو ملتا ہے۔ جلوس وجلسہ میں اور دعوت وتبلیغ کے لیے کہیں بھی تشریف لے جاتے تو کبھی بھی نذرانے کی فرمائش نہیں کرتے۔ کبھی کبھی خود کا کرایہ لگا کر تشریف لے جاتے۔ دعوت وتبلیغ کے متعلق جو مخلصانہ جذبہ آپ نے پایا تھا، وہ آپ ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ آپ کے تلامذہ میں بھی منتقل ہو گیا، اسی مخلصانہ جذبے کی بنیاد پر ایک بہت بڑا کارنامہ "ورلڈ اسلامک مشن" اور "تحریکِ دعوتِ اسلامی" وجود میں آئی، جس کے بانیوں میں قائدِ ملت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ بھی ہیں جو حافظِ ملت کے ارشد تلامذہ میں شمار کیے جاتے ہیں۔ آج عالمی سطح پر دعوت وتبلیغ اور مسلکِ حق کی ترجمانی کا جو کام ان دونوں تحریکوں سے ہو رہا ہے وہ باخبر حلقوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

حافظِ ملت کا اخلاص خدمتِ خلق کے تناظر میں:

حضور حافظِ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان نے مخلوقِ خدا کی خدمت کی، ہر اس وسیلے سے جو آپ کے اختیار میں تھا۔ آپ نے جو مخلوق کی خدمت کی وہ اہلِ علم سے مخفی نہیں ہے۔ مخلوقِ خدا کی اس سے بڑی خدمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ کی شکل میں علم وادب کا ایک شہر لوگوں کو عطا کر دیا، جس سے رہتی دنیا تک لوگ استفادہ کرتے رہیں گے اور علم وعمل کے اسلحہ سے لیس ہو کر باطل قوتوں کا بھرپور جواب دیتے رہیں گے۔

حضور حافظِ ملت علم وشعور کی قندیل کے ساتھ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ آپ کی دعاؤں کے اثرات نے ہزاروں قلوب منور اور ہزاروں گھر آباد وشاداب کر دیے۔ آپ نے دعا وتعویذ کے ذریعہ مخلوقِ خدا کی جو خدمت کی ہے اسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

دعا اور تعویذ کے ذریعہ خدمتِ خلق کے حوالے سے علامہ بدر القادری، ہالینڈ، اپنی کتاب "حیاتِ حافظِ ملت" کے صفحہ ۶۰۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

"مبارک پور کے ابتدائی ایام میں تو زیادہ نہیں مگر جوں جوں وقت گزرتا گیا، لوگ دور دور سے طلبِ دعا اور تعویذ کے لیے مبارک پور آتے، خود اہلِ مبارک پور کا یہ حال تھا کہ ان کے نزدیک تمام جسمانی امراض کے لیے آپ کا لکھا ہوا پینے والا تعویذ مجرب تھا۔ کچھ مخصوص تعویذات کے علاوہ حافظِ ملت ہر ہفتہ سیکڑوں پہننے اور پینے کے تعویذ تحریر فرماتے۔

اس سلسلے میں حاجی محمد حسین مبارک پوری کی بیان کردہ باتوں میں سے چند باتیں ملاحظہ کریں:

اور بہت سے نقوش کے علاوہ حضور حافظِ ملت پینے کے لیے ایک مخصوص تعویذ تحریر فرماتے تھے، عموماً سحر، جادو، فسادِ قلب وغیرہ میں بے حد مجرب ہے۔"

یہ تعویذ زعفران سے لکھا جاتا تھا، جو ہر ماہ کا ایک خرچ تھا، لیکن حضور حافظِ ملت نے کبھی کسی تعویذ پر کسی سے کوئی معاوضہ طلب نہیں فرمایا۔ یہ حافظِ ملت کا اخلاص نہیں تو اور کیا ہے۔ مبارک پور کے اہلِ سنت تو حافظِ ملت کو اپنا معالجِ روحانی سمجھتے ہی تھے، ہندوؤں اور غیر سنیوں میں سے بھی ایسے لوگوں کی تعداد کم نہیں تھی جو حافظِ ملت کے تعویذات سے فائدہ اٹھاتی تھی۔

حافظِ ملت کا اخلاص شخصیت سازی کے تناظر میں:

حضور حافظِ ملت کی شخصیت سازی کے حوالے سے حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ رقم طراز ہیں:

"حافظِ ملت کی زندگی کا سب سے نمایاں جوہر اپنے تلامذہ کی پرسوز تربیت اور ان کی شخصیتوں کی تعمیر ہے۔ اپنے اس وصفِ خاص میں آپ اتنے منفرد تھے کہ دور دور تک آپ کا کوئی شریک وسہیم نظر نہیں آتا۔"

(حافظِ ملت نمبر، ص:۱۲۲)

شخصیت سازی اور شخصیت کی تعمیر کا مفہوم اپنے دامن میں بڑی وسعت سمیٹے ہوئے ہے۔ مختصر لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ افراد وتلامذہ کو اخلاص وللّٰہیت اور دیانت داری کے ساتھ زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنا، ان کی صلاحیتوں کو نکھارنا، حوصلہ افزائی کرنا، قدم قدم پر مفید مشوروں سے نوازنا اور آگے بڑھنے کے لیے ہر طرح کا راستہ ہموار کرنا، یہ ساری باتیں مذکورہ مفہوم میں شامل ہیں۔

جب ہم حافظِ ملت کی زندگی پر غور کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح انھوں نے الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر میں اخلاص وللّٰہیت کا بھرپور مظاہرہ فرمایا، اسی طرح شخصیت کی تعمیر میں بھی آپ نے خلوص وایثار کی بے بہا قربانی

پیش کی۔

شخصیت سازی کا فن کتنا مشکل ہے، اس ضمن میں علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ کا یہ اقتباس قابلِ مطالعہ ہے:

”تاج محل کی تعمیر آسان ہے لیکن شخصیتوں کی تعمیر کا کام بہت مشکل ہے۔ حافظ ملت کو اس کام سے عشق کی حد تک تعلق تھا، سفر میں حضر میں، حلقۂ درس میں، مجلسِ خاص میں، جلسۂ عام میں، کہیں بھی وہ ایک لمحے کے لیے اپنے اس فریضۂ عشق سے غافل نہیں رہتے تھے۔“ (حافظِ ملت نمبر، ص:۱۲۳)

شخصیت سازی کے فن میں ہر کسی کو مہارت نہیں ہوتی۔ لیکن حضور حافظِ ملت تو گویا اس فن کے شہسوار تھے۔ اور آپ اس وصف میں اتنے منفرد تھے کہ دور دور تک آپ کا کوئی حریف نہیں تھا۔ حضرت علامہ ارشد القادری علیہ الرحمہ نے اس ضمن میں بہت ہی خوب صورت انداز میں تحریر فرمایا ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے:

”جس خصوصیت میں انھوں نے اپنے عصر ہی نہیں بلکہ ہزاروں علما کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، وہ ہے ان کی مردم سازی اور نسل انسانی کے احیا کا مشن اور وہ بھی اس شان کے ساتھ کہ اس کا تسلسل موت کا فرشتہ بھی نہیں توڑ سکا۔ علم و آگہی اور شخصیت سازی کا جو چشمہ فیضان ان کی حیاتِ ظاہری میں جاری تھا وہ آج بھی جامعہ کے احاطے میں ابل رہا ہے۔“ (انوارِ حافظِ ملت، ص:۱۹)

حضور حافظِ ملت طالب علم کی دل چسپی کا خاص لحاظ فرماتے کہ کس فن میں وہ زیادہ دل چسپی لیتا ہے۔ یہ نہیں کہ اگر کوئی تقریر کے فن میں کافی دل چسپ نظر آرہا ہے تو اسے اس فن سے گریز کرنے کی ترغیب دیں، بلکہ آپ اس کی اس دل چسپی کی حوصلہ افزائی فرماتے اور آگے بڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے دعاؤں سے نوازتے۔

اس ضمن میں ایک واقعہ سپردِ قرطاس ہے جو حضور حافظِ ملت کی شخصیت سازی کی غمازی کرتا ہے:

ایک مرتبہ موضع ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ کی سرزمین پر حافظِ ملت کی صدارت میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ ان دنوں مولانا عبید اللہ خان اعظمی خطابت کے آفاق پر دھیرے دھیرے ابھر رہے تھے۔ حافظِ ملت کے اسٹیج پر جلوہ افراز ہونے سے پیش تر مولانا اعظمی نے دل کش اور دل افروز الفاظ و تراکیب سے سجا کر سلاست و روانی سے ڈھلی حسین و خوب صورت زبان میں ولولہ انگیز خطاب کر کے کیف کا سماں باندھ دیا۔ حافظِ ملت جب اسٹیج پر تشریف لائے تو اس موقع پر اپنے صدارتی خطبہ میں مولانا اعظمی کو تقریر کی مشین کہہ کر یاد فرمایا۔ (حیاتِ حافظِ ملت، ص:۳۱۴،۳۱۵)

حافظِ ملت کی زبان فیض ترجمان سے نکلا ہوا یہ جملہ حرف بہ حرف ثابت ہو کر رہا اور آج پورے ہندوستان کو اس بات کا یقین کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ مولانا اعظمی واقعی تقریر و خطابت کی مشین ہیں۔

حضور حافظِ ملت کی زندگی میں ایک اہم بات یہ بھی دیکھنے کو ملتی ہے کہ آپ صرف اپنے قریب رہنے والے طلبہ اور علما پر ہی شفقت و محبت اور لطف و کرم کی نظر نہیں فرماتے، بلکہ دور دراز رہنے والے طلبہ پر بھی عنایت اور حوصلہ افزائی فرماتے اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے۔ اس موقع سے اس خط کا ایک اقتباس درج ذیل ہے، جو حافظِ ملت نے علامہ بدر القادری مصباحی کو اس وقت ارسال فرمایا تھا جب وہ فضیلت کی تکمیل کے بعد آپ کے ایما پر تدریسی خدمات انجام دینے کے لیے انگولا پہنچے تھے۔ اس خط میں الفت و محبت، پند و نصیحت اور شفقت و نوازش کے ساتھ حوصلہ افزا کلمات میرے مذکورہ دعوے کی صداقت پر غماز ہیں:

”مجھے آپ کی سعادت مندانہ صلاحیتوں سے قوی امید ہے کہ آپ کارِ لائق کو بہ حسن و خوبی انجام دیں گے اور اراکین و ذمہ داران کو اپنی دینی خدمات سے مطمئن کر دیں گے۔ میری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔ مجھے آپ کی جدائی سے قلق ہے۔ یہ آپ کے والد ماجد کا کرم ہے، بہر حال آپ اپنا ادبی مشن جاری رکھیں۔ کتابیں ضرور دیکھتے رہیں، مطالعہ سے ترقی ہوتی ہے۔“

(حیاتِ حافظِ ملت، ص:۴۹۴)

حافظِ ملت کا اپنے تلامذہ سے غیر معمولی الفت و محبت اور اخلاص و ہمدردی کا ہی نتیجہ تھا کہ ان کے تلامذہ بھی ان سے ٹوٹ کر محبت کرتے تھے اور اپنے تعلیمی و ارتقائی امور سے متعلق ایک ایک بات کی اطلاع حافظِ ملت کو فراہم کرتے رہتے تھے۔ حافظِ ملت بھی کھلے دل سے ان کی حوصلہ افزائی کرتے اور مشکل امور کی بجا آوری کے طریقے بتاتے نیز کامیابی کے لیے دل سے دعائیں دیتے رہتے۔

مختصر یہ کہ حافظِ ملت نے اپنی کامل تربیت اور عمدہ شخصیت سازی سے ہزاروں فرزندانِ توحید کو قابلِ فخر اور لائقِ رشک بنا دیا۔ حافظِ ملت کے مذکورہ طریقۂ کار کو نمونۂ عمل بنا کر آج بھی بڑے سے بڑا انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے۔

حافظ ملت اخلاص و للّٰہیت کے پیکرِ عظیم: بلا شبہہ حضور حافظِ ملت اخلاص و للّٰہیت کے پیکرِ عظیم تھے، یہ آپ کا اخلاص و للّٰہیت نہیں تو اور کیا ہے کہ آپ نے الجامعۃ الاشرفیہ قائم کیا اور اس کی ترقی کے لیے بے لوث

قربانی پیش کی۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آپ نے اس کے عروج وارتقا کے لیے پوری متاع زیست کو بھی لٹادیا، آپ پوری زندگی اس کے لیے جدوجہد کرتے رہے، یہاں تک کہ وصال کے بعد اسی کی مٹی میں مدفون ہوگئے۔

دنیا سے جاتے وقت انسان اپنے فرزند کو ادارے کا سربراہ اور اس کا مالک بنادیتا ہے اور پیران عظام اپنے فرزند کو سجادہ نشینی عطا کر دیتے ہیں۔ لیکن حافظ ملت نے ایسا کچھ بھی نہیں کیا۔ اگر آپ چاہتے تو اپنے لخت جگر کو حیات ہی میں کچھ بنا سکتے تھے، لیکن آپ نے اس عظیم ادارے کو اللہ رب العزت کے حوالے کر دیا۔ اس موقع سے ایک واقعہ درج ذیل ہے، جو میرے اس دعوے کو مزید تقویت فراہم کرتا ہے:

شدید علالت کے دوران خیر خواہوں اور جاں نثاروں نے صاحب زادۂ گرامی حضرت مولانا عبد الحفیظ صاحب قبلہ (موجودہ سربراہ اعلیٰ) کے متعلق جانشین نام زد کرنے پر پیہم اصرار کیا، اس پر آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

”اگر وہ اس منصب کے لائق ہوں گے، ان کی ذات میں ایسے اوصاف و محاسن پیدا ہو جائیں گے جو اس عہدۂ جلیلہ کے لیے درکار ہیں تو طالبانِ رشد وہدایت خود ہی ان کی جانب متوجہ ہو جائیں گے۔“

(حافظ ملت نمبر، ص:۲۱۰)

آپ نے متعدّد بار اس خیال کا اظہار فرمایا کہ ”میں نے ہمیشہ اپنے کو دار العلوم اشرفیہ کا خادم جانا، خدمت ہی اپنا کام ہے، عہدہ اور اختیارات کا استعمال میرے خیال میں نہیں۔“ (ماہ نامہ اشرفیہ، مارچ ۲۰۱۵ء، ص:۲۴)

ایک انسان جب ایسا اخلاص اور پاک دل رکھتا ہے اور عہدہ ومنصب و سربراہی سے بے نیاز ہو کر خدمتِ دین وملت کو اپنا خاص مشغلہ بنا لیتا ہے تو رحمتِ الٰہی اس کی دست گیری فرماتی ہے اور غیب سے اس کی مدد ہوتی ہے۔ حافظ ملت کے اندر یہی وہ جذبۂ اخلاص تھا جس نے حافظ ملت سے تنِ تنہا وہ کام لے لیا جو ہزاروں کی حمایت مل کر بھی نہیں کر سکتی۔

دنیا میں بہت سے ادارے ہیں جو دس سال، بیس سال اور تیس سال تک ترقی کیے اور پھر زوال وانحطاط کے شکار ہوگئے۔ اس لیے کہ ان کے بانیوں میں جو جوہر ہونا چاہیے، اس جوہر سے وہ خالی ہوتے ہیں اور ان کا مقصد ان اداروں کے قائم کرنے سے دینِ حنیف کی خدمت نہیں ہوتی بلکہ ذاتی مفاد کے لیے وہ یہ سب کرتے ہیں۔ لیکن حافظ ملت کا قائم کردہ ادارہ دن بہ دن ترقی کی راہ پر گام زن ہے۔ یہ آپ کے اخلاص ہی کا نتیجہ ہے کہ آج الجامعۃ الاشرفیہ مخالفتوں کے ہجوم میں بھی کھڑا مسکراتا ہوا نظر آرہا ہے۔ اور فرقۂ باطلہ کو آنکھیں دکھا رہا ہے اور ان کے اندر الجامعۃ الاشرفیہ سے آنکھ ملانے کی تاب نہیں ہے۔

حضور حافظِ ملت کا اخلاص صرف انھیں تک منحصر نہیں رہا بلکہ آپ کے طلبہ میں بھی منتقل ہو گیا اور طلبہ تو طلبہ آپ نے اہلِ مبارک پور کو بھی اپنے اخلاص سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، تبھی تو اہلِ مبارک پور آج الجامعۃ الاشرفیہ کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہے ہیں۔

اہلِ مبارک پور کے اخلاص وللّٰہیت کا جو دل کش منظر مولانا ثناء اللہ اطہر مصباحی (ڈائریکٹر تحریک اصلاح ملت، مظفر پور) نے اپنے مضمون ”بھوج پور سے مبارک پور تک کا مبارک سفر“ (ماہ نامہ اشرفیہ، مارچ ۲۰۱۵ء) میں پیش کیا ہے، وہ قابلِ مطالعہ ہے:

” ادارے کے تعمیری ارتقا کے لیے وہ روپیوں کی برسات کر دیتے۔ دولت و ثروت کے دریا بہا دیتے، بلکہ بعض حضرات کو گائے، بیل، بھینس اور بکریاں تک مدرسے کے حوالے کر دیتے۔ مبارک پور کی بچیاں اپنے کانوں کی بالیاں چندے میں دے ڈالتیں اور وہاں کی عورتیں اپنے زیورات اور کنگن و پازیب دے کر اپنی قسمت پر شاداں و فرحاں نظر آتیں۔ مبارک پور والوں کے جذبۂ ایثار و قربانی کو دیکھ کر بسا اوقات حافظ ملت کی آنکھوں سے آنسو چھلک پڑتے، بے ساختہ ان کے دست ہائے مبارک دعا کے لیے دراز ہو جاتے۔

اشرفیہ کے عروج وارتقا میں مبارک پور کے مخلص مسلمانوں نے جتنی عظیم قربانیوں کا مظاہرہ کیا ہے اس کی نظیر دور دور تک دیکھنے کو نہیں ملتی۔ جب بھی کوئی مورخ اشرفیہ کی تاریخ لکھے گا تو ان وفا شعاران مبارک پور کو فراموش کر کے وہ تاریخ اشرفیہ کی تکمیل نہ کر سکے گا۔ آج بھی اشرفیہ کے در و دیوار پر سنہرے حرفوں میں منقش اعوان و انصارِ مبارک پور کے اسمائے گرامی کیا اس بات کی غمازی نہیں کرتے کہ ان عمارتوں کی تعمیر و تشکیل کے لیے انھوں نے حافظ ملت کے قدموں میں اپنی حیات و کائنات نچھاور کر دی تھی۔“

اس تحریر کو پڑھنے کے بعد بلا تامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ اخلاص وللّٰہیت کے وہ بحر بیکراں تھے جس میں ہزاروں لوگ غوطہ زن ہو کر اخلاص وایثار کے جذبے سے سرشار ہو کر نکلتے ہیں اور پھر وہ کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں کہ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

حضور حافظ ملت اپنی طرح اخلاص وللّٰہیت کا جذبہ ہر اس شخص میں دیکھنے کے متمنّی تھے جو سنی صحیح العقیدہ ہو اور خدمتِ دین کا جذبہ رکھتا ہو۔ حضور حافظِ ملت اہلِ سنت و جماعت کے افراد میں اخلاص وللّٰہیت کے فقدان کے سبب بہت مضطرب و مضمحل رہا کرتے تھے۔ جس کا اظہار آپ کی زبانِ مبارک سے نکلے ہوئے جملوں کے ایک ایک لفظ سے ہو رہا ہے۔ ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

”دینی خدمات کا مخلصانہ جذبہ ہم سے رخصت ہو گیا اور نصیبِ دشمناں ہو گیا۔ فی زمانہ اخلاص وایثار تو کیا دیانت داری بھی ختم ہو رہی ہے۔ ہماری تمام خصوصیات ہم سے رخصت ہو گئیں، مولا تعالیٰ ہم پر رحم فرمائے۔

افسوس ہے کہ لوگوں میں اخلاص واستقلال نہیں، کہتے کچھ ہیں اور کرتے کچھ ہیں، وعدہ کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ سینوں میں آرام طلبی، زر پرستی کا مرض بھی ہے، عجیب قحط الرجال ہے، کام کے آدمی دستیاب ہی نہیں ہوتے، جن کو کام کا سمجھا جاتا ہے وہ بھی نتیجۃً ناکارہ ہی ثابت ہوتے ہیں۔“(حیاتِ حافظِ ملت، ص:۸۷۷، بحوالہ حافظِ ملت نمبر)

حافظِ ملت اپنے اندر اہلِ سنت و جماعت کی فلاح و بہبود کے لیے ہمیشہ فکر مند نظر آتے تھے، اس لیے بلا شبہہ حضور حافظِ ملت اخلاص و للّٰہیت کے پیکرِ عظیم تھے۔

الجامعۃ الاشرفیہ، حافظ ملت کے اخلاص کا مظہر:

حضور حافظِ ملت نے مبارک پور میں قدم رنجہ فرما کر اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کا پورے اخلاص و للّٰہیت کے ساتھ استعمال کیا اور اہلِ سنت کی تعلیمی صورت حال میں ایک خوش گوار، پائدار اور تاریخی انقلاب پیدا فرمایا، جو اہلِ سنت کے تحفظ وبقا اور تعمیر و ترقی کا سب سے بڑا ذریعہ بنا۔ اگر حافظ ملت نے یہ تعلیمی انقلاب برپا نہ کیا ہوتا تو آج اہلِ سنت کی حالت کچھ اور ہوتی۔ آج جامعہ اشرفیہ ہی کے فارغین ہند کی سرزمین سے لے کر ایشیا کے مختلف ممالک نیز یورپ و امریکہ اور افریقہ وغیرہ میں غلبۂ اسلام کا کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔ اگر جامعہ اشرفیہ نہ ہوتا تو مسلمانانِ ہند جہالت و پسماندگی اور احساسِ کم تری کے نہ جانے کس تاریک صحرا میں بھٹک رہے ہوتے۔

اس لیے بلا شبہہ ”الجامعۃ الاشرفیہ“ حضور حافظ ملت کے اخلاص کا مظہر ہے۔ حضور حافظِ ملت نے اس کی تعمیر میں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ بہا دیا اور خونِ جگر سے اس کی سینچائی بھی فرمائی۔ الجامعۃ الاشرفیہ کی ایک ایک اینٹ میں حافظِ ملت کا اخلاص شامل ہے اور آج بھی الجامعۃ الاشرفیہ کی فلک بوس عمارتیں حافظِ ملت کے اخلاص کا قصیدہ پڑھ رہی ہیں۔

حضور حافظِ ملت کے اس عظیم کارنامے سے متاثر ہو کر ڈاکٹر شکیل اعظمی مصباحی نے بہت سچی بات کہی ہے:

”اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے تجدیدی کارناموں کے بعد نہ جانے کتنے مخلص بزرگوں نے ایسے تعمیری منصوبے بنائے مگر خواب و خیال کی منزل سے آگے نہ بڑھ سکے۔ مشیتِ الٰہی کہ حافظِ ملت ہی کے مقدس ہاتھوں سے یہ مہتم بالشان کارنامہ انجام دلانا تھا اور دلایا۔“ (حافظِ ملت نمبر، ص:۲۰۷)

ڈاکٹر عبد النعیم عزیزی اشرفیہ کی خدمات کے حوالے سے فرماتے ہیں:

”دینی تعلیم کو فروغ اشرفیہ نے دیا۔ طلبۂ اسلام اور علماے دین کو جدید تعلیم یافتہ پروفیسروں اور اسٹوڈینٹس کے سامنے ایک نئی جرأت و احساس اور وقار و طمانیت کے ساتھ اشرفیہ نے لا کھڑا کر دیا۔

مغربیت کے سامنے مشرقیت کو سرخرو اشرفیہ نے کیا۔ قدیم وجدید کو اسلامی دائرۂ کار میں شیر و شکر اشرفیہ نے کیا۔ مسلمانوں کے جمود میں انقلاب اشرفیہ نے پیدا کیے اور انھیں جہد وعمل کی راہ اشرفیہ نے دکھائی۔“

(حافظِ ملت افکار اور کارنامے، ص:۱۳۱،۷۱)

حضور حافظِ ملت نے اپنی آنکھوں میں جو خواب سجا کر اشرفیہ کا پودا لگایا تھا، آج وہ تناور درخت بن کر پھل دینے لگا ہے اور اس پھل کے بیج سے اور بھی درخت وجود میں آکر پھل پھول دینے لگے ہیں، جن سے سارا عالم معطر و مشک بار ہو رہا ہے۔ یہ حضور حافظ ملت کے اخلاص ہی کا نتیجہ ہے کہ الجامعۃ الاشرفیہ سورج کی ہر نئی کرن کے ساتھ ترقی کی ایک نئی منزل طے کر رہا ہے۔

الجامعۃ الاشرفیہ حضور حافظِ ملت کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز تھا اور کیوں نہ ہو کہ آپ نے چالیس سال تک اس ”باغ فردوس“ کو اپنے خون جگر سے سینچ کر بہاروں کا وہ شباب عطا کیا کہ اشرفیہ واقعی ”باغِ فردوس“ بن گیا۔

ایک مقام پر حضور حافظِ ملت اشرفیہ کی اہمیت اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”میں نے اشرفیہ کو خون جگر پلایا ہے، میں اشرفیہ کے لیے اپنی جان کھپا سکتا ہوں، مگر اس کی پستی آخر دم تک نہیں برداشت کر سکتا۔ میں نے اشرفیہ کو پسینہ نہیں خون پلایا ہے۔“(حیاتِ حافظِ ملت، ص:۷۷۹)

حضور حافظِ ملت اپنی حیات کے قیمتی سال اس گلستانِ علم و فضل کی آبیاری میں گزار کر ۱۳۱؍ مئی ۱۹۷۶ء کی شب میں ہماری نگاہوں سے روپوش ہو گئے۔ یہ شمع اگر چہ بجھ گئی، لیکن ہزاروں چراغ ان سے جل اٹھے ہیں، علم کی روشنیاں عام ہو رہی ہیں، فیضانِ حافظِ ملت سے دنیا اکتساب فیض کر رہی ہے اور حافظ ملت کا قائم کردہ وہ عظمت کا مینار آج بھی حافظ ملت کے اخلاص و للّٰہیت کا خطبہ پڑھ رہا ہے۔ ماحصل یہ کہ حافظ ملت کے اخلاص و للّٰہیت کا مظہر ”الجامعۃ الاشرفیہ“ اہلِ سنت کے تابناک مستقبل کا ایسا روشن چراغ ہے جو آندھیوں کی زد میں بھی جل رہا ہے اور قیامت تک جلتا رہے گا۔ اس کے علم و حکمت اور فضل و کرم کا فیض گھٹا بن کر ساری دنیا پر برستا رہا اور ان شاء اللہ برستا رہے گا۔

جو ابر یہاں سے اٹھا ہے وہ سارے جہاں پر برسا ہے
جو ابر یہاں سے اٹھے گا وہ سارے جہاں پر برسے گا

☆☆☆

فکر و نظر

فتاویٰ حافظِ ملت: ایک تاثراتی مطالعہ

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم اربابِ قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں ۔از: مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۱۷ء کا عنوان	۲۰۱۷ء کے الیکشن پر نوٹ بندی کے اثرات، منفی یا مثبت
اپریل ۲۰۱۷ء کا عنوان	شبِ براءت: عبادات اور منکرات

حضور حافظِ ملت بحیثیت فقیہِ امت

از: مولانا زین العابدین اشرفی بنارسی، استاذ جامع اشرف، درگاہ کچھوچھہ شریف

فقہ اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت، خاص عطیہ اور دینِ الٰہی کا ستون ہے، فقیہ ہونا رب تعالیٰ کے غفران و جنت کے حصول کا سبب اور اللہ رب العزت کی بارگاہِ عالیہ میں مقبولیت کی دلیل ہے۔ بخاری شریف میں حضور ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے: ''مَنْ يُرِدِ اللهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ'' اللہ تعالیٰ جس سے بھلائی چاہتا ہے اسے دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ سننِ ابی داؤد وغیرہ میں نبیِ کریم ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے: ''فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلَى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ'' بہت سے فقہ کے حامل اپنے سے زیادہ فقیہ تک اسے پہنچاتے ہیں اور بہت سے فقہ کے حامل فقیہ نہیں ہوتے۔

فقہ و فتاویٰ ایک مشکل فن ہے، جس کے لیے بڑی عرق ریزی، جاں فشانی، جہدِ مسلسل اور مشقِ پیہم کرنی پڑتی ہے، ایک فقیہ کو جہاں قرآن کے مطلق و مقید، مشترک و مؤول، حقیقت و مجاز، صریح و کنایہ، ظاہر و خفی، مجمل و مفسَّر اور محکم و متشابہ پر نظر رکھنی پڑتی ہے، وہیں حدیث کے مرفوع و موقوف، متّصل و منقطع، معلق و مرسل، مضطرب و مدرج، صحیح و ضعیف، موضوع و متروک، ناسخ و منسوخ، اختلافِ علما اور کسی مختلف فیہ مسئلہ میں سوادِ اعظم کی رائے کو جاننا بھی ضروری ہوتا ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ مشکل امر ایک فقیہ کے لیے یہ ہوتا ہے کہ احتیاط کے راستے پر چلتے ہوئے امتِ مسلمہ کے لیے تیسیرِ عمل کی راہ ہموار کرے اور افراط و تفریط سے بچتے ہوئے پیش آمدہ مسئلہ کی مختلف شقوں میں قصد و اعتدال کی صورت ڈھونڈ نکالے، کیوں کہ یُسر و اعتدال شریعتِ مصطفویہ کی روح و اساس اور احتیاط و گریز اس کا بنیادی لازمہ ہے۔ گویا فقہ و فتاویٰ ایک پُل ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہے، جس پر سے بچ بچا کر گذر جانا ہر کس و ناکس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے سلف میں بے شمار ایسے حضرات نظر آتے ہیں جو فقہ و فتاویٰ نویسی کی مکمل اہلیت رکھتے تھے، مگر اس کے باوجود انھوں نے منصبِ افتا کو صرف اس لیے قبول نہ کیا کہ ناگاہ حکمِ شرع بیان کرنے میں کوئی لغزش ہو جائے اور اس کی وجہ سے اس وعید کے مستحق ہو جائیں:

''مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلَى مَنْ أَفْتَاهُ''

جسے بغیر جانے فتویٰ دیا گیا، اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہے۔

اللہ رب العزت ارشاد فرماتا ہے: ''يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ'' اللہ تعالیٰ تم سے آسانی چاہتا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے: ''وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' اور اس نے تم پر دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''يَسِّرُوا وَلَا تُعَسِّرُوا'' آسانی پیدا کرو، تنگی پیدا نہ کرو۔

علامہ ابن عبد البر نے ''جامع بیان العلم وفضلہ'' میں حضرت سفیان ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: ''إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَنَا الرُّخْصَةُ مِنْ

ثِقَةٍ، فَأَمَّا التَّشْدِيدُ فَيُحْسِنُهُ كُلُّ أَحَدٍ" علم ہمارے نزدیک کسی ثقہ کی جانب سے رخصت کا ہونا ہے، کیوں کہ سختی پیدا کرنے میں ہر آدمی ماہر ہوتا ہے۔

امامِ اہلِ سنت ، مجددِ دین وملت امام احمد رضا خا فاضلِ بریلوی علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: فقہ یہ نہیں کہ کسی جزئیہ کے متعلق کتاب سے عبارت نکال کر اس کا لفظی ترجمہ سمجھ لیا جائے، یوں تو ہر اعرابی، ہر بدوی فقیہ ہوتا کہ ان کی مادری زبان عربی ہے، بلکہ بعدِ ملاحظۂ اصولِ مقررہ وضوابطِ محررہ ووجوہِ تکلم طُرُقِ تفاہم وتنقیحِ مناط ولحاظِ انضباط ومواضعِ یُسر واحتیاط وتجنبِ تفریط و افراط، معتادِ تحقیقِ مؤید بتوفیق کا کام ہے۔(ملخصًا، ابانۃ المتواری فی مصالحۃ عبد الباری: ۱۴)

ایک فقیہ اور فتویٰ نویس مفتی پر ضروری ہے کہ ایک جانب وہ احتیاط کا دامن مضبوطی سے تھامے رہے اور دوسری جانب امتِ مسلمہ کے لیے تیسیرِ عمل کا راستہ ہموار کرے۔

جب ہم جلالۃ العلم حافظ العصر حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدثِ مرادآبادی علیہ رحمۃ الباری (مرید وخلیفۂ حضور اعلیٰ حضرت اشرفی) کے فتاوے دیکھتے ہیں تو ہمیں جہاں ان کے فتوے میں قرآن وحدیث سے استدلال، اقوالِ صحابہ وتابعین اور فقہا کی عبارتوں سے استناد، کلیات وجزئیات کا استحضار، مسئلۂ مستفسرہ میں جزئیات کا انطباق، قواعدِ فقہ و اصولِ فقہ پر گہری نظر، جواب سے پیدا ہونے والے شبہات کا ازالہ، جَمع وفُرق کے درمیان امتیاز کا ملکہ، افراط وتفریط سے اجتناب، عرفِ عام وخاص میں تمیز، ظاہر الروایہ و نادر الروایہ میں فرق، مصالحِ دین کی محافظت، مطلق ومقید کی صراحت، جواب میں جامعیت واختصار، اسلوبِ بیان میں دل نشینی وجاذبیت، طرزِ تحریر میں سلاست، پیچیدگی سے احتراز ، مقفّٰی و مسجع کلام کے غیر ضروری تکلفات سے گریز، الفاظ میں شائستگی ومتانت اور رسمِ افتا کے آداب سے مکمل واقفیت کے جلوے نظر آتے ہیں وہیں احتیاط وگریز اور یُسر وآسانی کا پُر لُطف امتزاج بھی ملتا ہے۔ حضور حافظِ ملت کے فتاویٰ میں یہ تمام اوصاف وخصوصیات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ کسی نے آپ سے سالگرہ منانے کا حکم پوچھا کہ جائز ہے یا ناجائز؟ اور اس کے منانے کی شرعی صورت کیا ہوگی؟ جواب میں آپ نے تحریر فرمایا کہ "انسان کی عمر بہت بڑی دولت اور جلیل القدر نعمت ہے، سال کیا، مہینہ اور ہفتہ بلکہ ایک ایک دن بیش بہا اور گراں مایہ دولت ہے، سال گذرنے پر اس جلیل القدر نعمت کے شکریہ میں کوئی تقریب جو شرعًا جائز ہو کر سکتے ہیں۔ ادائے شکر کی نیت سے محفلِ میلاد شریف منعقد کرنا مستحب اور باعثِ ثواب ہے تو اب مجلسِ میلاد شریف سے سالگرہ کی تقریب منائیں اور اس طرح اپنے ربِ جلیل کا شکر ادا کریں"۔

(ماہنامہ اشرفیہ: نومبر/۲۰۰۱)

مولانا جابر القادری مصباحی فیضی کا بیان ہے کہ حضور حافظِ ملت علیہ الرحمہ ہر سال مدرسہ فیض العلوم جمشید پور کے سالانہ جلسۂ دستار بندی میں بلا ناغہ حضرت علامہ ارشد القادری کی دعوت پر تشریف لاتے تھے ، علامہ ارشد القادری کے حجرۂ خاص میں قیام پذیر ہوتے اور معمول کے مطابق جب سارے لوگ جلسہ گاہ چلے جاتے تو حافظِ ملت کثرت سے نوافل پڑھتے ، لہٰذا اس سال بھی تشریف لانے کے بعد قیام اسی میں ہوا اور جب سارے لوگ اسٹیج پر چلے گئے تو میں رک گیا اور دروازے کے پاس چپکے سے کھڑا ہو گیا کہ اگر حضرت کو کوئی ضرورت ہو تو اس کی تکمیل کر کے اپنا نصیبہ بلند کروں ، اچانک دیکھا کہ حضور کمرہ سے لوٹا لے کر وضو کرنے کے لیے باہر نکل رہے ہیں ، میں نے کہا: حضور پانی چاہیے؟ فرمایا: جی ہاں، لہٰذا میں نے لوٹا لیا اور دیکھا کہ اس میں کچھ پانی ہے ۔ میں لوٹا لے کر آگے بڑھا اور حافظِ ملت پیچھے پیچھے آرہے تھے ، میں نے نل سے پانی لینے کے لیے لوٹے کا پانی پھینکا ہی تھا کہ حافظِ ملت خفا ہو گئے اور بولے مولانا! آپ نے بڑا ظلم کیا وہ پانی اچھا ہی تو تھا اسے کیوں بہادیا، کیوں اسراف وفضول خرچی سے کام لیا؟ اور ظلم بالائے ظلم یہ کہ مجھے اس گناہ پر گواہ بنادیا کہ میرے سامنے ایسا کیا۔(ماہنامہ اشرفیہ: ستمبر/ ۲۰۰۰)

اس واقعہ سے جہاں حافظِ ملت کی دور اندیشی ، وثوق واعتماد، تصلب فی الدین اور ذہانت وفطانت کا پتہ چلتا ہے ۔ وہیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قول وعمل میں مکمل یکسانیت تھی اور آپ کا عمل قول کے موافق ہوتا تھا۔ اور یہی ایک فقیہ کی شان بھی ہونی چاہیے، کیوں کہ اگر زبان وعمل میں ہم آہنگی نہیں ہوتی اور دونوں ایک دوسرے کے رفیق نہیں ہوتے تو پھر آدمی کے اندر سے اثر انگیزی ختم ہو جاتی ہے۔

ایک فقیہ کی ذمّہ داری صرف اس پر ختم نہیں ہو جاتی کہ وہ استفتا کے محض چند جملوں کو پڑھ کر حکمِ شرعی بیان کر دے بلکہ اس پر یہ بھی لازم ہے کہ حتی الوسع سائل کی نیت کو سمجھے اور جس جگہ کے متعلق سوال کیا گیا ہے وہاں کے حالات کو جاننے کی کوشش کرے ۔ چنانچہ اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ واقعہ اہلِ علم کے درمیان بڑا ہی مشہور ہے کہ ایک شخص نے ان سے قاتل کی توبہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اس کی توبہ مقبول نہیں ہے اور یہی سوال دوسرے شخص نے پوچھا تو آپ نے فرمایا اس کی توبہ مقبول ہے ، پھر فرمایا: میں نے پہلے شخص کی نگاہوں میں قتل کا ارادہ دیکھا اس لیے اسے منع کر دیا، لیکن دوسرا شخص قتل کر کے آیا تھا اس لیے میں نے اسے مایوس نہیں کیا۔(شرحِ عقودِ رسم المفتی مع حاشیہ: ۲۳)

حضور حافظِ ملت کے اندر سائل کی نبض کو سمجھنے کا مادہ وافر مقدار میں موجود تھا۔ ایک مرتبہ آپ سے رافضی کی نمازِ جنازہ کا مسئلہ دریافت کیا گیا کہ آیا جائز ہے یا ناجائز؟ اس کا جواب تو بہت آسان ہے کہ مسائلِ شرعیہ کی مختصر معلومات رکھنے والا بھی فوراً جواب دے دے گا کہ "ناجائز" ہے، مگر قربان جائیے اس ذاتِ عالی پر کہ کتنے تمسک واستنباط کی اہلیت ولیاقت کے ساتھ جواب

ارشاد فرمایا: رافضی، قادیانی، وہابی اور دیوبندی سب کی نمازِ جنازہ حرام سخت حرام ہے۔ (حافظِ ملت نمبر: ۱۷۸ بحوالہ انقلاب، ۱۱/ مارچ ۲۰۱۶ء)

المختصر یہ کہ حضور حافظِ ملت ایک متبحر عالم، حدیث کے رمز شناس محدث، فقہی بصیرت رکھنے والے فقیہ، کاسانی و حصکفی کی دقیقہ سنجیوں کو حل کرنے والے محقق مدقق، سائل کے مزاج کو دیکھ کر فتویٰ دینے والے مفتی، منطق و فلسفہ کے مغلقات کو سمجھنے اور سمجھانے والے منطقی و فلسفی، عشقِ مصطفیٰ سے اپنے قلب و روح کو جلا بخشنے والے عاشقِ صادق، تصوفانہ شناخت رکھنے والے صوفی، تہذیب و ثقافت کا درس دینے والے مصلحِ قوم، ملت کی فکر رکھنے والے مفکر، قوم کی نبض پہچاننے والے نباضِ قوم، سنگلاخ سرزمین کو شاداب گلستاں بنانے والے آشنائے راز، دین کی تبلیغ کرنے والے مبلغ، طالبانِ علومِ نبویہ کی تربیت کرنے والے مربیِ روحانی اور ایک جامع الاشتات عالمِ دین تھے۔ ☆☆☆☆☆

فتاویٰ حافظ ملت: ایک مختصر تاثراتی مطالعہ

مفتی محمد ساجد رضا مصباحی، استاذ دارالعلوم غریب نواز داہو گنج کشی نگر

حافظ ملت جلالۃ العلم حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی قدس سرہ کا نام پردہ ذہن پر آتے ہی علم و عمل، اخلاص وللّٰہیت، معرفت وروحانیت اور جہدِ پیہم سے لبریز ایک ہمہ جہت اور عبقری شخصیت کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اخلاصِ عمل اور جہدِ مسلسل جدوجہد کے حوالے سے اپنے اقران ومعاصرین میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے۔ آپ نے مبارک پور کی سرزمین پر علم وفضل اور فکر وفن کا ایک ایسا گلستاں آباد کیا جس کی عطر بیزیوں سے آج پورا عالم اسلام مشک بار ہے۔

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ کی حیاتِ مبارکہ کا ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا، وہ شب وروز جامعہ اشرفیہ کے فروغ وارتقا کے لیے بے چین رہا کرتے تھے، اک طرف جامعہ کے تعلیمی نظام کے استحکام کے لیے جدوجہد فرماتے تو دوسری طرف جامعہ اشرفیہ کے اعلیٰ منصوبوں کی تکمیل کے لیے بھی مسلسل تگ ودو فرمایا کرتے تھے، کبھی آپ اشرفیہ کی مسند تدریس پر علوم وفنون کے جواہر پارے بکھیرتے نظر آتے تو کبھی خلق خدا کے ارشاد وہدایت کے لیے دور دراز علاقوں میں سرگرداں نظر آتے، ان تمام مصروفیات کے درمیان جامعہ اشرفیہ کے مسند افتا پر جلوہ افروز ہو کر ملک وبیرون ملک سے آئے ہوئے استفتا کے علمی وفقہی جوابات بھی تحریر فرماتے۔ فتاویٰ نویسی کس قدر دماغ سوزی اور ذمے داری کا عمل ہے وہ اہل علم پر مخفی نہیں، فقہ وافتا سے وابستہ افراد عموماً دوسرے میدانوں میں خاطر خواہ کارکردگی انجام نہیں دے پاتے، لیکن اس حوالے سے جب حضور حافظِ ملت کی حیاتِ مبارکہ کا جائزہ لیتے ہیں تو ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔

فتاویٰ حافظ ملت کے عمیق مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بڑی مہارت اور کامل ذمے داری کے ساتھ فتاویٰ نویسی کی خدمت انجام دیا کرتے تھے۔ آپ کے فتاوے بے شما خوبیوں اور خصوصیتوں کے حامل ہیں۔ فتاویٰ حافظ ملت قرآن وحدیث، آثار صحابہ، اقوال سلف، عبارات فقہا اور مستند فقہی جزئیات سے مزین ہوا کرتے ہیں۔ فتویٰ نویسی کے باب میں اس بات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے کہ تحریر کردہ مسئلے پر فقہی جزئیات کو منطبق کر کے کثیر جزئیات پیش کیے جائیں۔ فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے فتاوے اس سلسلے میں بطور مثال پیش کیے جاسکتے ہیں۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان فقہی کلیات وجزئیات پر کامل مہارت رکھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے فتاوے فقہی جزئیات سے مزین اور مستند دلائل سے مالامال ہیں۔ ذیل میں ہم صرف ایک مثال پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں:

حضور حافظ ملت سے عنین (نامرد) کے تعلق سوال ہوا کہ:

خالدہ کا نکاح سات سال قبل بکر سے ہوا، اب سات سال کے بعد خالدہ نے بیان دیا کہ اس کا شوہر جماع پر قدرت نہیں رکھتا ہے، شرم وعار کی وجہ سے اب تک اس نے اس بات کا ذکر کسی سے نہیں کیا، اب زندگی اجیرن ہے اور بکر کے نکاح میں رہنے کی کوئی صورت نہیں، لہٰذا زوجین کے درمیان تفریق کے تعلق سے حکم شرع بیان کیا جائے۔ (ملخصا، ماہ نامہ اشرفیہ فروری ۲۰۰۸ء، ص: ۱۲)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمہ نے بہت ہی واضح انداز میں حکم شرع بیان فرمایا اور اس حکم پر تین صریح فقہی جزئیات نقل کیے، آپ نے تحریر فرمایا:

”صورت مسئولہ میں بکر واقعی عنین ہے تو بکر کو چاہیے کہ طلاق دے اور طلاق نہ دے تو عورت اپنے اس معاملہ کو قاضی کے سامنے پیش کرے اور قاضی کے ذریعہ دریافت حال کے بعد اگر شوہر نے عنین ہونے کا اقرار کر لیا تو ایک سال کی مدت مقرر کر دے، اس مدت میں اگر بکر کامیاب ہوا تو فبہا ورنہ طلاق دے اور اگر وہ طلاق سے رکے تو خود قاضی ان کے درمیان تفریق کر دے، اس سے نکاح ختم ہو جائے گا، اگر خلوت صحیحہ ہو چکی ہے تو پورا مہر پائے گی اور نکاح کرنا چاہے تو عدت کے بعد کر سکتی ہے۔ چوں کہ اس زمانے میں قاضی نہیں ہے اس لیے کسی بڑے عالم متدین ومتشرع کو پنچ مان کر تصفیہ کرالے“

اس کے بعد آپ نے ہدایہ اور فتاویٰ خیریہ کے تین صریح جزئیات نقل فرمائے ہیں۔ فتاویٰ حافظ ملت کے اکثر فتاوے اسی طرح کثیر جزئیات سے مزین ہیں۔

علما کے استہزا و استخفاف کے تعلق سے سوال ہوا تو آپ نے علم اور علما کی فضیلت اور علما کی توہین سے متعلق حکم شرعی بیان فرماتے ہوئے تفصیلی فتویٰ رقم فرمایا، اس فتویٰ کے مطالعہ سے آپ کی فقہی بصیرت اور فتویٰ نویسی میں مہارت کا اندازہ ہوتا ہے، اولاً آپ نے متعدد آیات قرآنیہ اور مفسرین کی تفاسیر کی روشنی میں علما کی فضیلت پر فاضلانہ کلام فرمایا، پھر علمائے دین کے استہزا و استخفاف کے حوالے سے متعدد احادیث اور عبارات فقہا کی روشنی میں شرعی عتابات کا ذکر فرماتے ہوئے مسئلہ مذکورہ کی تنقیح فرمائی، آپ کا یہ تفصیلی فتویٰ ماہ نامہ اشرفیہ شمارہ ماہ اپریل ۲۰۰۸ء میں صفحہ ۸ ر تا ۱۰ میں مطبوع ہے۔

مسلم معاشرے میں آئے دن نت نئے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں جن کا صریح حکم کتب مذہب میں موجود نہیں ہوتا ہے، ایسے مسائل کے احکام کے لیے مذہب کے اصول اور نظائر کا سہارا لینا پڑتا ہے، یہ ایک دقیق اور مشکل امر ہے، اس کے لیے کامل فقہی بصیرت اور اخاذ طبیعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان کے فتاویٰ میں ایسے متعدد فتاوے ملتے ہیں جن میں جدید فقہی مسائل کی تنقیح و توضیح کرتے ہوئے حکم شرعی کا استخراج کیا گیا ہے، ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع شدہ فتاوی میں اس کے متعدد نظائر موجود ہیں۔

تقسیم وراثت علم فقہ کا ایک مستقل باب ہے اور مذہبی فنون میں اسے مشکل ترین فن سمجھا جاتا ہے، اس فن کی اہمیت کے پیش نظر احادیث میں اس کے سیکھنے سکھانے کا حکم دیا گیا ہے، حضور حافظ ملت علم میراث میں بڑی مہارت رکھتے تھے، وراثت کے مشکل سے مشکل مسائل کو بڑے آسان لب ولہجے میں بیان فرمادیا کرتے تھے، مناسخہ کے طویل ترین مسائل اس قدر سہولت کے ساتھ حل فرمایا کرتے تھے کہ اہل فن انگشت بدنداں رہ جاتے۔ فتاویٰ حافظ ملت میں تقسیم وراثت کے مسائل بکثرت ہیں، ان مسائل کے مطالعہ سے اس فن میں آپ کی خصوصی مہارت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

فتویٰ نویسی کا اپنا اسلوب اور خاص لب ولہجہ ہوا کرتا ہے، فتوے کا ہر ہر جملہ اسلامی دستور اور شرعی قانون کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے فتوے کی زبان بہت واضح اور صاف وشفاف ہونی چاہیے، پیچیدہ انداز بیان اور مبہم طریقہ گفتگو سائل کے لیے خلجان کا باعث ہو سکتا ہے، اسی لیے فتویٰ نویسی میں اس بات کا خصوصی خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے کہ فتویٰ کی عبارت حشو وزوائد سے پاک اور آسان الفاظ پر مشتمل ہو، بے جا عبارت آرائی اور لچھے دار جملوں کا استعمال فتویٰ نویسی کے اصول وآداب کے خلاف ہے۔ اس ضمن میں جب ہم فتاویٰ حافظ ملت کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ فتویٰ نویسی میں بہت ہی سہل زبان استعمال فرمایا کرتے تھے، آپ کا جواب نہایت واضح اور غیر مبہم ہوا کرتا تھا۔ عدت کے اندر نکاح کے سلسلے میں ایک سوال کا جواب بڑے واضح اور صاف وشفاف انداز میں تحریر فرمایا:

”عدت کے اندر نکاح باطل ہوتا ہے، لہذا یہ نکاح نہ ہوا، زوجین پر واجب ہے فوراً جدا ہو جائیں، زوجیت کے تعلقات باقی رکھنا حرام سخت حرام ہے۔ ہندہ پر تفریق سے عدت واجب ہوگی۔ اگر عدت کے بعد نکاح کرنا چاہیں اور کوئی مانع نہ ہو تو کر سکتے ہیں، بچہ کا نسب متوفیٰ سے ہوگا اور حق وراثت حاصل ہوگا۔ (ماہ نامہ اشرفیہ، ماہ جنوری ۲۰۰۸ء، ص ۶)

حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ والرضوان اردو زبان کے ساتھ عربی اور فارسی وغیرہ زبانوں پر بھی دسترس رکھتے تھے، ایک بار کاٹھیاوار سے جناب احمد نعیمی قادری رضوی نے عربی زبان میں نماز کا ایک مسئلہ پوچھا، آپ نے عربی زبان ہی میں اس کا جواب تحریر فرمایا:

” فی الصورة المسئولة صلاة الامام والقوم کاملة فان الرجل اذاسها عن القعدة الاخیرة وقام الی الخامسة فعلیه ان یرجع اذا تذکر مالم یقید تلك الرکعة بسجدة. وحالماعمل الامام علیٰ هذه المثابة فقد صحت صلاته و اما صلاة القوم فلا فساد منها ایضاً فإنه کان علیهم ان لا یتابعوا امامهم فی هذا القیام و مع ذٰلك عاد امامهم للقعدة و تشهد و سجد للسهو فانجبر ما انکسر . اه

(ماہ نامہ اشرفیہ، ماہ جولائی ۲۰۰۸ء)

اس کے بعد آپ نے ”الدر المختار“ اور ”الفتاویٰ الھندیہ“ کے حوالے بھی نوٹ فرمائے ہیں۔

حضور حافظ ملت کے فتاوے اور بھی بے شمار خوبیوں اور خصوصیتوں کے حامل ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ یہ فتاوے استاذی الکریم حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی دام ظلہ العالی استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور مدیر اعلیٰ ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی ترتیب وتخریج کے ساتھ ماہ نامہ اشرفیہ میں شائع ہو چکے ہیں، امید ہے کہ جلد ہی ان کا مجموعہ بھی منظر عام پر آئے گا۔☆

شاعرِ منقبت پروفیسر فاروق احمد صدیقی

ثناء اللہ اطہر مصباحی

معروف دانش ور، بلند پایہ ادیب، عظیم ناقد، نام ور محقق اور ممتاز ماہرِ رضویات کا خیال آتے ہی پروفیسر فاروق احمد صدیقی کی تصویر نگاہوں میں گھوم جاتی ہے۔ آپ کی ولادت اگست ۱۹۴۲ء میں بہار کے ایک مردم خیز قریہ پوکھریرہ ضلع مظفر پور، موجودہ ضلع سیتامڑھی میں ہوئی۔ مشکوٰۃ شریف تک دینی تعلیم کی تحصیل کے بعد دنیاوی علوم کی تکمیل کے لیے عصری درس گاہ میں داخل ہوگئے۔ بہار یونیورسٹی مظفر پور سے اردو آنرس اور ایم.اے. کے امتحان میں امتیازی نمبروں سے کامیابی حاصل کی اور یہیں سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری بھی حاصل کی۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مختلف عصری دانش گاہوں میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ پھر بہار یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں لیکچرار کی حیثیت سے تدریس کے فرائض انجام دینے کے لیے مامور ہوئے اور ترقی کرکے صدر شعبہ کے عہدے تک پہنچے اور ۲۰۰۹ء میں یہیں سے ریٹائر ہوئے۔ آپ کے علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی مضامین کے دو مجموعے ”افہام و تفہیم“ اور ”تفہیم و تجزیہ“ شائع ہوکر اربابِ فکر و بصیرت سے خراجِ تحسین وصول کرچکے ہیں۔

تادمِ تحریر آپ کے علمی و مذہبی مقالات کا مجموعہ ”مقالاتِ فاروقی“ اور نعتیہ کلام کا مجموعہ ”ازہارِ عقیدت“ طباعت کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ اس کے علاوہ ہند و پاک کے ادبی و مذہبی جرائد و رسائل میں آپ کی نگارشات کی اشاعت کا سلسلہ جاری ہے۔ رضویات کے حوالے سے بھی آپ کی گراں قدر خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ایک درجن سے زائد اسکالرز آپ کے زیرِ نگرانی رضویات کے عنوان پر پی ایچ ڈی کا مقالہ لکھ کر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کرچکے ہیں۔ اس طرح عصری دانش گاہوں میں امام احمد رضا کے علم و فکر کی ترویج و اشاعت میں آپ نے بہت ہی نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ آپ کا یہ عظیم کارنامہ لائقِ تحسین بھی ہے اور قابلِ تقلید بھی، چوں کہ اس وقت میرا موضوع آپ کی منقبت نگاری ہے، اس لیے آئندہ سطور میں میری گفتگو اسی حوالے سے ہوگی۔

نعت گوئی کے ساتھ ساتھ منقبت نگاری کے میدان میں بھی آپ نے اچھی خاصی دل چسپی کا مظاہرہ کیا ہے۔ خاصانِ خدا کی بارگاہوں میں شعری پیرائے میں اظہارِ عقیدت و الفت کو منقبت سے موسوم کیا جاتا ہے۔ پروفیسر فاروق احمد صدیقی جہاں ایک اچھے نعت گو شاعر ہیں وہیں ایک قادر الکلام منقبت نگار بھی ہیں۔ آپ کی منقبتوں کے مطالعے سے یہ امر واضح ہوکر سامنے آجاتا ہے کہ آپ کا دل اولیائے کرام کی الفت و محبت سے معمور ہے۔ ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ جب تک اولیائے امت کے عشق و الفت کے چراغ نہاں خانۂ دل میں فروزاں نہ ہوں گے اس وقت تک منقبت کے قابلِ قدر اشعار معرضِ وجود میں آ ہی نہیں سکتے۔ خود پروفیسر موصوف کے ایک نعتیہ کلام کا مقطع ہے:

یہ پہلی فکر ہے فاروق نعتِ سرور کی
وہی ہو کیفیت دل کی جو شاعر کی زباں تک ہے

میں ان کے مذکورہ بالا شعر سے یہ فکر مستعار لے کر اپنی گفتگو آگے بڑھانا چاہوں گا، مگر جس طرح فکرِ نعت کے لیے دل و زباں کی کیفیت کا متحد ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح فکرِ منقبت کے لیے بھی قلب و زبان کے حالات و خیالات کے درمیان اتحاد و اتفاق لازمی امر ہے۔ بغیر اس کے قابلِ ذکر منقبت گوئی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

پروفیسر موصوف کو آلِ پیمبر سے عشق کی حد تک لگاؤ ہے۔ اس لیے انھوں نے کاشانۂ نبوت کے چشم و چراغ، گلستانِ نبوت کے گلِ سرسبد، گلشنِ زہرا کے پھول، جگر گوشۂ بتول، نورِ نظرِ شیرِ خدا، لختِ جگرِ مرتضیٰ، امام عالی مقام حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت بابرکت میں عقیدتوں کی سوغات پیش کرکے دارین کی سعادت اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔ یہ وہی عظیم المرتبت ذاتِ مقدس ہے جن کی طہارت و پاکیزگی کی شہادت آیتِ تطہیر نے دی ہے۔ مالکِ

جنت نے جن کو جنت کا پھول فرمایا ہے۔ نماز و درود میں جن کا ذکرِ جمیل شامل ہے، اسلام کی بقا اور رسولِ مکرم کے ناموس کے تحفظ کی خاطر جنھوں نے کربلا کی چلچلاتی دھوپ میں اپنے آل و اولاد، اعوان و انصار بلکہ اپنی جان کو بھی قربان کرنے سے دریغ نہ کیا۔ امتِ مسلمہ کی گردنیں جن کے احسان و کرم سے جھکی ہوئی ہیں، ان کی بارگاہِ ناز میں عقیدتوں کا خراج نچھاور ہونا ہی چاہیے۔ پروفیسر موصوف نے نہایت ہی حسین و خوب صورت پیرائے میں امام عالی مقام کی بارگاہ عظمت پناہ میں الفت و محبت کے نذرانے پیش کیے ہیں۔ دیکھیے کس قدر ایک ایک شعر سے سبطِ پیمبر سے والہانہ عشق کی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے۔

ان کے شرف پہ آیتِ تطہیر ہے گواہ
ثابت ہوا کہ دودھ کا دھویا حسین ہے
صورت بھی لاجواب ہے سیرت بھی لاجواب
ہر زاویہ سے حسن میں یکتا حسین ہے
پیہم رسولِ پاک اسے سونگھتے نہ کیوں
جنت کا پھول عنبر سارا حسین ہے
شامل ہے ان کا ذکر صلوٰۃ و درود میں
کتنا بلند پایہ ہمارا حسین ہے
نانا کے پاک دین کو جس نے بچا لیا
تاریخ کہہ رہی ہے وہ تنہا حسین ہے

مندرجہ بالا اشعار میں امام عالی مقام کے لیے جنت کا پھول عنبر سارا، حسن میں یکتا کی تراکیب کس قدر بلیغ ہیں، اور ”دودھ کا دھویا“ محاورہ کے برمحل استعمال سے شعر کی فنی لطافت میں چار چناد لگ گئے ہیں۔ اس منقبت کا مطلع ہے۔

ممدوحِ مصطفیٰ شہِ والا حسین ہے
یعنی نبی کی آنکھ کا تارا حسین ہے

مقطع میں پروفیسر موصوف نے اس امر کا اظہار کیا ہے کہ امام عالی مقام کے غلاموں کے غلام کی صف میں شامل ہوں، اور اس بات پر نہایت ہی فخر و مسرت ہے کہ میرے آقا و مولا امام حسین ہیں، کیوں کہ شاعر موصوف کو معلوم ہے کہ امام عالی مقام کی غلامی میں داخل ہونا ان کے نانا جان کی غلامی میں ہی داخل ہونا ہے۔ اور امام عالی مقام کو آقا و مولا تسلیم کرنا نبیِ رحمت کو ہی آقا و مولا تسلیم کرنا ہے اور اس حدیث سے بھی یہی مفہوم ہے جس میں حضور انور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ”الحسین منی و انا من الحسین“ مقطع ملاحظہ ہو۔

فاروق بھی ہے ان کے غلاموں کا اک غلام
ہے فخر اس کو آقا و مولا حسین ہے

محبوب سبحانی حضرت سید نا شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کا فیض و کرم آج بھی سارے عالم پر آسمان کے بادل کی طرح برس رہا ہے، سلسلہ قادریہ کے آپ بانی بھی ہیں اور محبوب ربانی بھی۔ بارگاہِ حق تعالیٰ سے آپ کو وہ عظیم رتبہ عطا ہوا کہ سارے اولیاے کرام نے آپ کے قدمِ ناز میں اپنے سروں کو جھکا دیا۔ حضرت رضا بریلوی نے اپنی منقبت غوثیہ میں اس مضمون کو بہت ہی عمدہ اور خوب صورت پیرائے میں باندھا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیا ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا

حضرت آسی غازی پوری کے زہرہ نگار قلم نے بھی اس مفہوم کو شعری جامہ پہنانے میں نہایت ہی حسین و خوب صورت رول ادا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

گردنیں ہوں اولیا کی زیرِ پا
کون ایسا ہے سوائے غوثِ پاک

پروفیسر فاروق صاحب نے بھی اپنے اکابر و اسلاف کے نقوش پا پر چلتے ہوئے اپنی منقبت محبوب سبحانی میں بڑی ہی خوب صورتی کے ساتھ مندرجہ بالا مفہوم کی تصویر کشی کر کے بارگاہ غوثیت مآب میں اپنی دیرینہ نیاز مندی کا ثبوت پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ہیں سارے اولیا کی گردنیں زیرِ قدم بیشک
یہ عظمت ہے خصوصی آپ کی محبوبِ سبحانی

اس منقبت کا مطلع ہے۔

ہیں اولادِ رسولِ ہاشمی محبوبِ سبحانی
سراپا روشنی ہی روشنی محبوبِ سبحانی

آپ کی جاہ و حشمت، شان و رفعت، عظمت و شوکت اور جلال و بزرگی کا عالم یہ ہے کہ یہ آفتاب و ماہتاب طلوع ہونے سے پہلے آپ کی خدمتِ اقدس میں سلام کا تحفہ پیش کرتے ہیں اور پھر طلوع ہونے کی اجازت طلب کرتے ہیں، جب انھیں اجازت مل جاتی ہے تب وہ آفاق پر آشکار ہوتے ہیں اور اپنی کرنوں سے گیتی کے ذروں کو

جگمگاتے ہیں۔ سارے بلاد اللہ آپ کی چشمانِ بصیرت کے سامنے ایسے ہیں جیسے ہاتھ میں رائی کا دانہ، اور سب کو آپ اپنے ماتھے کی نگاہوں سے ملاحظہ فرماتے رہتے ہیں۔ آپ کی ذاتِ انور کو سارے اقطاب و مشائخ میں امتیازی و انفرادی حیثیت حاصل ہے اور آپ خاک دانِ گیتی پر اپنی پیشانی میں ولایت کا نور لے کر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے ان سارے ایمان افروز اور روح پرور حقائق کو اشعار کے قالب میں ڈھال کر بارگاہِ غوثیت میں جو عشق و الفت کے نذرانے پیش کیے ہیں، وہ سرمستانِ غوث کی روحوں کو جلا بخشنے کے لیے کافی ہیں۔

مہ و سال و زمانہ آپ سے ہیں اذن کے طالب
سلامی پیش کرتے ہیں سبھی محبوب سبحانی
بلاد اللہ دیکھا ایسے جیسے رائی کا دانہ
ہتھیلی میں ہو رقصاں آپ کی محبوب سبحانی
معظم کیوں نہ ہوتے سارے اقطاب و مشائخ میں
خدا کے ہیں ولی پیدائشی محبوب سبحانی

امام احمد رضا محدث بریلوی کا یہ عقیدہ بھی کتنا خوب صورت ہے کہ وہ غوث پاک کو شفیع اور خدا کی بارگاہ میں اپنا شفیع سمجھتے ہیں کہ شفیع بغداد نے شفیعِ محشر کے حضور اگر سفارش کر دی تو نجات و کامرانی قدموں سے لپٹ جائے گی، غور سے سنیے تو سہی اعلیٰ حضرت کیا فرماتے ہیں۔

تیری سرکار میں لاتا ہے رضا اس کو شفیع
جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

پرفیسر موصوف کا غوثِ اعظم کے لطف و کرم پر غیر متزلزل یقین یہ آواز دے رہا ہے کہ اگرچہ ہماری زیست کے دفتر میں عمل کی کوئی پونجی نہیں ہے، لیکن ہمارے ہاتھوں میں محبوب سبحانی کی نسبت کی چادر ہے، وہ عرصۂ محشر میں مالکِ محشر کے سامنے ہماری سفارش فرمائیں گے اور ان کی نگاہِ فیض و رحمت جب اٹھے گی تو کوثر کا چھلکتا جام بھی ہمارے حصے میں آجائے گا اور "مریدی لا تخف" فرما کر جو انھوں نے اپنے ابرِ کرم سے ہم مریدوں پر مسرت و بشارت کی رم جھم بوندوں کی برسات فرمائی ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ دیکھیے یہ اشعار گدایانِ غوث کے دلوں میں کس قدر کیف و سرور کا اجالا پھیلا رہے ہیں:

عمل کچھ بھی نہیں پر نسبتِ عالی تو حاصل ہے
کریں گے حشر کے دن پیروی محبوبِ سبحانی
سرِ محشر عطا ہو مجھ کو بھی اک جام کوثر کا
سوالی ہے مری تشنہ لبی محبوبِ سبحانی
مریدی لا تخف کہہ کر بشارت دی مریدوں کو
کرم ہے آپ کا یہ واقعی محبوبِ سبحانی

بلادِ ہند میں جن اولیائے کرام نے رشد و ہدایت کے چراغ روشن کیے اور گم گشتگانِ راہ کو وادیِ کفر و ضلالت سے نکال کر عشق و عرفان کی شاہ راہوں پر کھڑا کیا، ان میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہ کا نام آبِ زر سے لکھنے کے لائق ہے۔ آپ ایک سچے عاشقِ رسول اور بحرِ عرفان و تصوف کے درِ یکتا ہیں۔ عزیمت، استقامت اور دینی حمیت میں دور دور تک آپ کا کوئی شریک و سہیم نہیں۔ آپ ایک جلیل القدر مجدد، عظیم مجاہد، ممتاز مبلغ اور بلند پایہ مصنف ہیں، بلکہ بے شمار خوبیاں آپ کی ذاتِ مقدس میں جمع ہو گئی ہیں۔ بادشاہ جہانگیر کے ظلم و بربریت کی آندھیوں میں بھی آپ کے پائے ثبات متزلزل نہ ہوئے۔ آپ کی حقانیت اور تصلب فی الدین کی تابانی دیکھ کر خود بادشاہِ وقت نے آپ کے قدمِ ناز میں اپنا سر جھکا دیا۔ آپ کے علم و فضل، دعوت و تبلیغ، عظمت و تقدس اور مذکورہ بالا تاریخی حقائق کی تصویر کشی میں پروفیسر موصوف کی نوکِ قلم سے جو لفظوں کے آبشار ابل پڑے ہیں، ملاحظہ کیجیے۔

عقیدہ ہے یہی لاریب سارے خوش عقیدوں کا
مزارِ پاک میں زندہ مجدد الف ثانی ہیں
یہ ان کی محفلِ مخصوص ہے فاروق صدیقی
یہاں پر بھی کرم فرما مجدد الف ثانی ہیں

چودھویں صدی کی عبقری شخصیت، دین کے مجدد، اہلِ سنت کے امام، عشقِ رسالت کے گنجِ گراں مایہ، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کی ذات والا صفات محتاجِ تعارف نہیں۔ ہر دور میں شاعروں نے آپ کی عظمت پناہ میں اپنے اپنے انداز میں عقیدتوں کے خراج پیش کیے ہیں۔ پروفیسر موصوف نے بھی آپ کی خدمت میں محبتوں کی نذر پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ یہ منقبت تیرہ اشعار پر مشتمل ہے، ہر شعر انتخاب کا درجہ رکھتا ہے، لیکن یہاں صرف چار اشعار ملاحظہ فرمائیں۔ دیکھیے کہ اشعار کس قدر محدث بریلوی سے والہانہ عشق کا پتہ دے رہے ہیں۔

سلام احمد رضا، والا گہر، اے رہبرِ اعظم

تو علم و فضل کا ہے تاج ور اے رہبر اعظم
تری تحریر پر تنویر تو برقِ غضب ٹھہری
عدو بد دین ہے زیر و زبر اے رہبر اعظم
تو اپنے وقت کا تھا بو حنیفہ اس میں کیا شک ہے
تو ہی تنہا فقیہِ معتبر اے رہبر اعظم
پلایا بادۂ حبِ نبی کا جام بھر بھر کے
ترا بحرِ سخا ہے اوج پر اے رہبر اعظم

محترم پروفیسر فاروق احمد صدیقی کو شہزادۂ اعلیٰ حضرت حضور مصطفیٰ رضا خان مفتیِ اعظم ہند قدس سرہ سے شرفِ بیعت حاصل ہے۔ یہ کب گوارا تھا کہ آپ اپنے آقائے نعمت، مرشدِ گرامی کی بارگاہ میں الفتوں کی سوغات نہیں پیش کرتے۔ بقول پروفیسر موصوف ”میں نے کئی منقبتیں کہی تھیں لیکن نہ کہی تھی تو اپنے پیرِ کامل کی، مجھے ان کی شان میں بھی نذرانۂ محبت پیش کرنا چاہیے۔ پھر کیا تھا، میں مظفر پور سے ممبئی کے سفر کے دوران بارہ اشعار پر مشتمل یہ خراجِ محبت معرضِ اظہار میں آگئے۔“ اس منقبت کا ہر شعر اپنے مرشد سے والہانہ عقیدت و عشق کا منہ بولتا ثبوت ہے۔، اختصار کے پیشِ نظر یہاں صرف چار اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

خدا کا شکر میں ہوں مدح خوانِ مفتیِ اعظم
عقیدت کا ہے نذرانہ بشانِ مفتیِ اعظم
عبادت میں ریاضت میں، ولایت میں، کرامت میں
خیال و فکر سے بالا ہے شانِ مفتیِ اعظم
تفقہ، شاعری، ارشاد اور عشقِ رسالت میں
زمانہ میں ہے یکتا خاندانِ مفتیِ اعظم
بیابانِ جہالت اور صحرائے توہب میں
سنائی دیتی ہے اب بھی اذانِ مفتیِ اعظم

محسنِ ملت حضرت مولانا حامد علی فاروقی قدس سرہ کا شمار اعلیٰ حضرت محدث بریلوی کے نام ور خلفا اور تلامذہ میں ہوتا ہے۔ امام احمد رضا سے اکتسابِ علم و فیض کے بعد آپ رائے پور، چھتیس گڑھ تشریف لے گئے۔ یہ ان دنوں کی بات ہے، جب علاقہ چھتیس گڑھ میں چاروں طرف جہالت کی کالی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں، علم و حکمت کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ آپ نے تقاضائے وقت پر لبیک کہتے ہوئے ایک دینی درس گاہ مدرسہ اصلاح المسلمین کی بنا ڈالی، شبانہ روز کی تگ و دو کے نتیجے میں یہ ادارہ ترقی کی سرحدوں کو عبور کرتا چلا گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس ویرانے میں علم و حکمت کی قندیلیں جگمگا اٹھیں، پھر تو وہ خطہ طالبانِ شوق کی آماجگاہ بن گیا، گویا کہ آپ کے حسنِ تدبر اور دینی حمیت نے اس ویرانے کو علم و فیض کا گلستاں بنا دیا۔ انھیں دنوں وہاں شدھی تحریک کی فتنہ سامانی بھی زوروں پر تھی۔ اس کی دسیسہ کاریوں کے نتیجے میں بہت سارے صاحبِ ایمان شاہ راہِ اسلام سے پلٹ کر کفر و ضلالت کے قعرِ عمیق میں گرتے جارہے تھے۔ اس اندوہ ناک صورتِ حال میں آپ نے اپنی حکمتِ عملی اور بصیرت افروز دعوت و تبلیغ سے کفر کی آندھیاں روک دیں اور بے شمار لوگوں کے دلوں میں ایمان و عرفان کا اجالا پھیلا دیا، جو لوگ راہِ حق سے برگشتہ ہوگئے تھے، ان کے قلوب میں ایمان کی شمع فروزاں کر کے پھر سے مذہبِ حقہ کا گرویدہ بنا دیا۔ بالجملہ آپ کی دینی، دعوتی، تبلیغی، سماجی اور سیاسی خدمات کے نتیجے میں ہر چہار جانب عشق و وفا کے چشمے ابل پڑے، جس سے ہزاروں تشنگانِ شوق نے سیرابی حاصل کی اور آپ کے احسان و کرم کی بارش سے اس دیار کا چپہ چپہ شرابور ہوگیا۔ پروفیسر موصوف نے محسنِ ملت کی ان نمایاں خدماتِ جلیلہ کو اشعار کا زیور پہنا کر دامنِ قرطاس پر یوں سجا دیا ہے۔

حامد کو حق نے صاحبِ عرفاں بنا دیا
علم و عمل خلوص کا عنواں بنا دیا
قائم کیا ہے مدرسہ اصلاحِ مسلمین
تاریکیوں میں جس کو نور افشاں بنا دیا
جو پھر چکے تھے دین سے شدھی کرن کے بعد
ان سب کو پھر سے صاحبِ ایماں بنا دیا
اس عاشقِ رسول کی گرمیِ عشق نے
پتھر کے دل کو موم سا انساں بنا دیا
اس مردِ حق شناس کی عظمت تو دیکھیے
چھتیس گڑھ کو خطۂ یوناں بنا دیا
اس مصلح مجاہدِ دوراں کو صد سلام
ویراں کدے کو جس نے گلستاں بنا دیا

ایک ایک شعر میں جو سلاست و روانی، دل کشی و دل نشینی، شگفتگی و رعنائی اور خوب صورتی و چاشنی ہے وہ صاحبانِ فکر و بصیرت پر مخفی نہیں۔ ساتھ ہی صاحبِ عرفاں، خلوص کا عنواں، نور افشاں، موم سا

انساں، خطۂ یوناں کی نادر و نایاب تراکیب بار بار اشعار گنگنانے کی دعوت دیتی ہیں۔

صدر الشریعہ حضرت مولانا امجد علی قدس سرہ کے نامور تلامذہ میں مجاہد ملت حضرت مولانا حبیب الرحمٰن قادری علیہ الرحمہ کا نام سرِ فہرست نظر آتا ہے۔ آئینِ جواں مردی، حق گوئی و بے باکی آپ کا شعار تھا۔ آپ کے نام سے ہی ایوان باطل لرز اٹھتا اور بد عقیدے کانپ جاتے تھے۔ مناظرہ کی مجلس ہو یا سیرتِ رسول کا جلسہ، ہر مقام پر آپ فضل و تدبر کے شہنشاہ نظر آتے ہیں، شریعت کا مسئلہ ہو یا سیاسی بوقلمونی، آپ کے علم و حکمت اور فکر و دانائی کی بہاریں ہر جگہ اپنا جلوہ لٹاتی نظر آتی ہیں، باران رحمت کا نزول ہو اس مجاہد ملت کی تربتِ انور پر جو سعودی حکومت کی قید و بند کی صعوبتوں کی آندھیوں میں ہمت و استقلال کا کوہ ہمالہ بن کر کھڑا رہا، وہاں نجدی حکومت سے کسی بھی قسم کی مصالحت کو روا نہیں رکھا اور دنیا کی نگاہوں میں یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ "اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی" وہ عظیم مصلح تھا جو ساری زندگی اہلِ سنت کے عروج و ارتقا کی خاطر صحراؤں کی خاک چھانتا رہا، اس کی بارگاہ ناز میں الفتوں کی نذر پیش کرنا عقیدت کیشوں کا شیوہ رہا ہے اور فریضہ بھی۔ حضرت پروفیسر فاروق احمد صدیقی صاحب چوں کہ مجاہد ملت کے سچے عاشق اور گہرے عقیدت مند ہیں، اس لیے اپنے محسن کی بارگاہ میں محبتوں کی سوغات لے کر یوں حاضر ہیں۔

حبیبِ حضرتِ رحماں مجاہدِ ملت
نقیبِ شاہ رسولاں مجاہدِ ملت
قسیمِ بادۂ عرفاں مجاہدِ ملت
نسیمِ صبحِ بہاراں مجاہدِ ملت
علومِ دین کے عنواں مجاہدِ ملت
بلند فکر سخن داں مجاہدِ ملت
امیرِ زہد شعاراں مجاہدِ ملت
شبیہِ صُفہ نشیناں مجاہدِ ملت
مناظرہ کی ہو مجلس کہ جلسۂ سیرت
ہر ایک بزم کے سلطاں مجاہدِ ملت
وہ مسئلہ ہو شریعت کا یا سیاست کا
گرہ کشائے حکیماں مجاہدِ ملت
تری عزیمت وہمت کو لاکھ بار سلام
سعودی قید میں فرحاں مجاہدِ ملت

مندرجہ بالا اشعار میں مجاہد ملت کے لیے حبیبِ حضرتِ رحماں، نقیبِ شاہ رسولاں، قسیمِ بادۂ عرفاں، نسیمِ صبح بہاراں، علومِ دین کے عنواں، بلند فکر سخن داں، امیر زہد شعاراں، شبیہِ صفہ نشیناں اور گرہ کشائے حکیماں کی انوکھی اور اچھوتی تراکیب و تشبیہات کا استعمال کتنا دلکش اور خوب صورت معلوم ہوتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ایک سیلِ رواں ہے جو اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ یقیناً اپنی فکری حسن وندرت کی بنیاد پر ہر شعر انتخاب کے درجے میں اتر گیا ہے۔

پروفیسر موصوف اس امر سے خوب واقف ہیں کہ مقربینِ بارگاہِ الٰہی اپنے رب کی عطا سے اپنے غلاموں کی مشکل کشائی اور حاجت روائی فرماتے ہیں۔ اس لیے مقطع میں ایک سائل کی طرح بارگاہِ مجاہدِ ملت میں عرض گذار ہیں کہ آپ کے فاروق پر مصائب و آلام کے بادل منڈلا رہے ہیں، آپ کی چشمِ عنایت ہو جائے تو آنِ واحد میں یہ چھٹ جائیں اور نصیبے کے آفاق پر مسرتوں کا اجالا پھیل جائے۔ ملاحظہ ہو۔

خوشا نصیب ہو، فاروق پر بھی چشمِ کرم
ہوں اس کی مشکلیں آساں مجاہدِ ملت

پروفیسر موصوف کی منقبت گوئی کا ایک بڑا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے ممدوح کے علم و فضل، استقلال و عزیمت، ہمت و شجاعت، خدمت و نصرت، تصنیف و تالیف، تدبر و دانائی اور فہم و دانش وری کا ذکرِ جمیل چھیڑتے وقت ذہن و فکر میں ممدوح کی ذات و اوصاف کی اتنی دلکش و خوب صورت تصویر کھینچ دیتے ہیں کہ ان کی خوش اسلوبی اور قادر الکلامی کے آگے سرِ تسلیم خم ہونے لگتا ہے۔

قائد اہلِ سنت حضرت علامہ ارشد القادری کی مدحت میں ان کی نوکِ قلم سے جو اشعار کے موتی ٹپک پڑے ہیں وہ ہمارے دعوائے صداقت پر غماز ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

السلام اے حضرتِ علامہ ارشد قادری
ذاتِ عالی مغتنم اس دور میں تھی آپ کی
علم کے کوہ ہمالہ ، فضل کے چرخ بریں
عبقریِ وقت، اولوالعزم، ہمت کے دھنی
وارثِ علمِ نبوت خادمِ دینِ متیں

نازشِ لوح و قلم، وصّاف و مدّاحِ نبی
"زلزلہ" ایسا پڑا ایوانِ باطل میں شدید
ہو گئے "زیر و زبر" سارے بتانِ آزری
ملک میں بے مثل پٹنہ کا ادارہ شرعیہ
آپ کے حسنِ تدبر کا ہے نقشِ دائمی
جامعہ حضرت نظام الدین اور فیض العلوم
چشمۂ فیضان رحمت ہیں یہ دونوں واقعی
مغربی ملکوں میں بھی دینی مشن جاری رہا
"ورلڈ اسلامک مشن" ہے اک ادارہ عالمی
قدسیوں میں غل پڑا ہے آ گئے ہاں آ گئے
باغِ جنت کے مکیں علامہ ارشد قادری

پروفیسر موصوف نے اپنے استاذِ گرامی حضرت مولانا شبنم کمالی قدس سرہ کی خدمت میں بھی عقیدتوں کا خراج پیش کیا ہے، یہ نظم چودہ اشعار پر مشتمل ہے، ہر شعر منتخب کیے جانے کے لائق ہے، لیکن طوالت کا خوف پیشِ نظر ہے، اس لیے بغیر کسی شرح وبسط کے صرف پانچ اشعار پیشِ خدمت ہیں۔

السلام اے حضرتِ شبنم کمالی السلام
فضلِ رب سے آپ کا مسکن بنا دار السلام
شاعری کا فیض پایا مبدأ فیاض سے
اس طرح چمکے وہ جیسے چرخ پر ماہ تمام
نعت لکھیں، یا غزل، یا نظم یا بچوں کے گیت
فکر و فن کا ہر جگہ رکھتے تھے پورا التزام
تھی رسولِ پاک سے بے حد محبت آپ کو
نعت گوئی، نعت خوانی سے رہا رشتہ مدام
ناز کر اے سر زمینِ پوکھریرا ناز کر
تجھ میں تھا اک جوہرِ قابل بہت ہی نیک نام

حالیہ دنوں ہی عراق کے ایک دہشت گردانہ حملے میں عالمِ ربانی مولانا اسید الحق قادری قدس سرہ کی شہادت کیا ہوئی کہ پوری دنیائے سنیت کی فضائیں ماتم و اندوہ سے بھر گئیں۔ اس اندوہ ناک حادثے کی خبر سن کر جو جہاں تھا وہیں ماتم کناں ہو گیا۔ بڑے بڑے صاحبانِ فضل و کمال اور اربابِ علم و دانش، عالمِ ربانی کی شہادت کی خبر سن کر مضمحل ہو گئے۔ انھوں نے اپنی نثر و نظم کے ذریعہ شہیدِ ملت کی روح کو خراجِ محبت پیش کیا اور اس طرح اپنی دیرینہ الفت و وابستگی کا اظہار کیا۔ اس تعلق سے پروفیسر موصوف کی نثری نگارشات جامِ نور دہلی کے "عالمِ ربانی" نمبر میں شائع ہوئی اور بدایوں میں عالمِ ربانی کے عرسِ چہلم کے موقع پر ہزاروں علما و مشائخ کی موجودگی میں خود پروفیسر موصوف نے جو نظم بچشمِ تر پڑھی اس کے چند اشعار آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

اے مکینِ خلد مولانا اسید قادری
اے شہیدِ دین و ملت لو سلام اب آخری
اک مفسر، اک محدث، اک فقیہِ معتبر
اک محقق، ایک ناقد، پیکرِ دانش وری
اک مصنف، اک مبلغ، ماہرِ علمِ کلام
واقفِ علمِ شریعت، شارحِ دینِ نبی
فاضلِ ازہر، امیرِ کشورِ شعر و ادب
حسنِ تحریر و خطابت دونوں میں یکساں دھنی
اپنے ہم عصروں میں یکتا، صاحبِ لوح و قلم
بے تکلف کہیے ایسی شخصیت کو عبقری
ہے شہادت آپ کی ملت کا نقصانِ عظیم
یہ خلا پھر پُر نہ ہوگا ایسا لگتا ہے ابھی

اس امر کے اعتراف میں اب کوئی تردد نہیں ہونا چاہیے کہ محترم فاروق احمد صدیقی صرف ناقد و محقق ہی نہیں بلکہ ایک قادر الکلام، خوش فکر اور خوش بیان شاعر بھی ہیں۔ بارگاہِ الٰہی سے انھیں عمدہ شعری ذوق کا وافر حصہ عطا ہوا ہے، تادمِ تحریر بھی بزمِ شعر و سخن کا نورانی سلسلہ جاری و ساری ہے، اس لیے دیگر اولیائے کرام اور علمائے ذوی الاحترام کی مقدس بارگاہوں میں ان کے خامۂ زر نگار سے عقیدت و الفت کے نذرانے پیش کیے جانے کے ہم صمیمِ قلب سے متمنّی ہیں

خلاصۂ گفتگو یہ ہے کہ آپ کی منقبت نگاری میں آبشاروں کا ترنم ہے تو بلبل کی نغمگی بھی۔ دریائی لہروں کا بہاؤ ہے تو سمندر کا سکوت بھی۔ فصاحت کی چاشنی ہے تو بلاغت کی شیرینی بھی۔ عقیدت و الفت کی روشنی ہے تو شوق و وارفتگی کی بہاریں بھی۔ اگر منقبت کے یہ سارے اشعار زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آجاتے ہیں تو جہاں یہ طالبانِ علم و ادب کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوں گے وہاں سرمستانِ عشق کی تسکین ذوق کا سامان بھی۔

****

نقد و نظر

کتاب : سالانہ مذہبی علمی، تہذیبی و ادبی مجلہ **باشیبان**
موضوع : شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی "شخص و عکس" نمبر
مدیرِ اعلیٰ (اعزازی): پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر
صدر شعبۂ اردو و فارسی، گلبرگہ یونیورسٹی، گلبرگہ
مدیران اعزازی: مولانا سیف خالد اشرفی
پروفیسر ایس اے قدیر ناظم سرگرو
ڈاکٹر منظور احمد دکنی
سن اشاعت: ۲۰۱۵ء صفحات: ۶۰۸
تعداد : ۱۱۰۰ قیمت: ۴۵۰/ روپے
ناشر : حضرت سید عبد اللہ باشیبان اکیڈمی، بلگام، کرناٹک
تبصرہ نگار: مبارک حسین مصباحی

اس وقت ہمارے پیشِ نظر خانوادۂ کچھوچھہ مقدسہ کی عظیم علمی، روحانی اور ادبی شخصیت کا جلوۂ زیبا ہے۔ شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی دامت برکاتہم العالیہ کی زیارت ہم نے متعدّد بار کی ہے۔ ہر بار ان سے شرفِ ہم کلامی بھی حاصل کیا، ان کی روحانی آفاقیت، علمی وسعت اور جماعتی حالات پر ان کے تدبرات بھی سنے اور خوب خوب استفادہ بھی کیا۔ صحیح تاریخ تو ہمیں یاد نہیں مگر اس وقت ہم جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں بحیثیت مدرس اور مدیر ماہ نامہ اشرفیہ خدمات انجام دے رہے تھے، ہمارا تقرر جامعہ اشرفیہ میں ۱۹۹۱ء میں ہوا، اس کے چند سال بعد حضور شیخ الاسلام دامت برکاتہم القدسیہ بحیثیت مرشدِ اعلیٰ اور خطیبِ اعظم نوادہ مبارک پور میں تشریف لائے تھے، اس وقت ان کا خطاب بھی سماعت کرنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ دوسرے دن آپ جامعہ اشرفیہ بھی تشریف لائے تھے، شہزادۂ حافظِ ملت عزیزِ ملت حضرت علامہ شاہ عبد الحفیظ سربراہِ اعلیٰ جامعہ اشرفیہ اور دیگر علمائے کرام نے استقبال فرمایا تھا، راقم سطور بھی موجود تھا۔ حضرت عزیز ملت نے باضابطہ چل کر آپ کو جامعہ اشرفیہ کی سیر کرائی۔ آپ نے جامعہ کی تعلیمی سرگرمیاں سن کر اور تعمیری سرگرمیاں دیکھ کر بے پناہ مسرتوں کا اظہار فرمایا تھا۔

چند سال قبل آپ کے والد گرامی وقار حضور محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ والرضوان کے عرس میں دعوت ملی، ہم اس میں چند سال مدعو ہو کر گئے، مزار شریف پر حاضری اور ملاقاتوں کا شرف حاصل کیا، علم سے لبریز آپ کی بھولی بھالی گفتگو سننے اور استفادہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، آپ سے ملاقات کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ پہلے آپ مبارک پور اور جامعہ اشرفیہ کی معروف شخصیات کی خیریت دریافت فرماتے ہیں۔ ان کے رہن سہن، لب و لہجہ اور اندازِ گفتگو سے عجز و انکسار ٹپکتا ہے۔ ان سے جب بھی دریافت کیا گیا کہ حضرت آپ نے اب خطابات بھی ترک فرما دیے ہیں، عام طور پر مریدین کے حلقوں میں بھی کم ہی جاتے ہیں، اس وقت آپ کی مصروفیات کیا ہیں؟ فرماتے ہیں، ارے مولانا! بس اب ہم چاہتے ہیں جو کچھ زندگی بچی ہے اسے سکون سے بیٹھ کر گزار لیا جائے۔ بس تھوڑا بہت لکھنے پڑھنے کا کام ہو جاتا ہے، آپ حضرات دعا فرماتے رہیں کہ زندگی اسی طرح آسانی سے گزر جائے، ان کی ایک خاص بات ہم نے یہ نوٹ کی کہ آپ نے کم از کم ہمارے سامنے کبھی کسی غیبت نہیں فرمائی، ہمیشہ اجمالی باتیں فرما کر خاموش ہو جاتے ہیں۔

آپ اپنے عہد کی عظیم علمی اور روحانی شخصیت ہیں۔ کچھوچھہ مقدسہ میں یکم رجب المرجب بروز یک شنبہ ۱۳۵۷ھ/۲۸/ اگست ۱۹۳۸ء کو ولادت با سعادت ہوئی۔ دینی اور روحانی ماحول میں شعور کی آنکھیں کھولیں، ابتدائی تعلیم کے بعد خاکِ ہند کی عظیم ترین درس گاہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ابتدا سے دورۂ حدیث تک درس نظامی کی تکمیل فرمائی، نثر و نظم میں علمی گہرائی، فکری بصیرت سے لبریز آپ کی تصانیف منظرِ عام پر آئیں۔ قرآن و حدیث، تفسیر و فقہ، تصوف و کلام، ادب و شاعری، فکر و نظر، جماعتی مباحث اور قومی مسائل پر معرکہ آرا نگارشات نے ایک بڑے طبقے کو متاثر کیا۔ آپ کے علمی اور اصلاحی خطابات بھی ملک اور دیگر کثیر ممالک میں ہو چکے ہیں، آپ کی تقریریں نکات آفریں اور حالات کا رخ بدلنے کی قوت رکھتی ہیں۔ آپ کے مریدین اور خلفا کی تعداد بھی متعدّد ممالک میں کثیر ہے۔ آپ نے ایک عظیم محقق اور مفتی کی حیثیت سے بھی انتہائی نازک اور حساس مسائل پر تحقیقی اور فیصلہ کن مباحث سپرد قلم فرمائے ہیں۔

آپ کی ان وسیع اور آفاقی خدمات پر آپ کے چاہنے والوں نے بلگام، کرناٹک میں تین روزہ شیخ الاسلام کل ہند سیمینار ۱۳/ ۱۴/ اور ۱۵/ جنوری ۲۰۱۵ء کو منعقد کیا، جس میں ملک بھر کے کثیر علما، مشائخ، دانش وروں اور پروفیسرس نے شرکت فرمائی۔ ہمیں بھی مدعو کیا گیا، مگر افسوس ہم وعدہ کرنے کے باوجود کسی شدید مجبوری کی وجہ سے شرکت کا شرف حاصل نہیں کر سکے۔ اسی سیمینار کے آخری دن مجلہ باشیبان کا شیخ الاسلام حضرت سید محمد مدنی اشرفی جیلانی "شخص اور عکس" نمبر شائع ہوا۔ جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ ۶۰۸/ صفحات کے اس وقیع نمبر میں ایک سے ایک وقیع تحریر ہے۔ پڑھتے جائیے اور دل و دماغ معطر کرتے جائیے۔ دورانِ مطالعہ معلومات کا خزانہ ملتا جاتا ہے۔

حضرت سید عبد اللہ باشیبان اکیڈمی بلگام کے صدر نشیں سید منیر باشاہ باشیبان انعامدار لکھتے ہیں:

"اس سلسلے میں ہماری خوشی دوبالا ہوگئی ہے کہ سیمینار کے انعقاد سے پہلے معزز مقالہ نگاران اپنے مقالے ارسال کر چکے ہیں اور وہ سب یکجا ہو کر کتابی شکل میں مذہبی، علمی، تہذیبی اور ادبی مجلہ "باشیبان" کے نام سے شائع ہو کر سیمینار کے افتتاحی اجلاس میں رسمِ اجراء کے مرحلے میں ہے۔" (باشیبان، ص:۶۵)

مجلہ "باشیبان" کے "شخص اور عکس" نمبر کے مدیرِ اعلیٰ (اعزازی) پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر ایک بلند پایہ علمی شخصیت ہیں۔ ہم نے بندہ نواز گیسو دراز قدس سرہ العزیز کے مزارِ اقدس پر متعدّد بار حاضری کا شرف حاصل کیا ہے۔ ایک بار ہماری ملاقات محترم پروفیسر صاحب سے ہوگئی۔ ہمیں دیکھ کر ان کی باچھیں کھل گئیں، بڑی محبت سے اپنی قیام گاہ پر آنے کی دعوت دی، وقت مختصر ہونے کے باوجود ہم ان کے پاس گئے، بڑی محبت سے گفتگو فرمائی، چائے وغیرہ سے ضیافت فرمائی، ہم جلد ہی وہاں سے رخصت ہوگئے، ان سے ہمارے روابط بہت اچھے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے حضرت علامہ شاہ انوار اللہ حیدر آبادی علیہ الرحمۃ والرضوان پر پی ایچ ڈی کی ہے۔ مطبوعہ مقالے کی ایک کاپی ہمارے پاس بھی ارسال فرمائی۔ موصوف زبان و ادب کے ماہر اردو اور فارسی میں یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔ ایک انتہائی بلند اخلاق اور جماعتِ اہلِ سنت و جماعت کے فرد فرید ہیں۔ آپ نے "باشیبان" کے اداریے میں تحریر فرمایا ہے:

"جن میں علم و ادب اور عمل و اخلاص اور روحانی فیوضات و برکات سے مزین حضور شیخ الاسلام سید محمد مدنی اشرفی جیلانی کچھوچھوی کی بھی شخصیت ہے، جو اپنے علم و عمل، مجاہدے و مشاہدے کی درخشانی سے ہند و بیرون ہند کو منور کرتے آرہے ہیں اور اپنے خطابات اور تحریرات سے دنیائے علم و عرفان کے اذہان و قلوب کو روشن و منور بھی فرما رہے ہیں۔

ہزاروں خطابات، بیسوں تصانیف میں سے کچھ خطابات اور تصنیفات اور شعری اثاثے کو محفوظ کر لیا گیا ہے۔ ان کے اس علم و ادب کے سرمایے پر موضوعاتی اور اسلوبیاتی مطالعے کے بعد تحریر کرنے والے صاحبانِ علم و نظر کے رشحاتِ قلمی جمع کیے گئے ہیں۔"

آپ مزید لکھتے ہیں:

"جو چالیس سے زائد مقالات کا احاطہ کرتے ہیں، تقریبًا سبھی مقالات شاملِ مجلہ ہیں۔" (باشیبان، ص:۷-۸)

"شخص اور عکس" ایک پیغام کے عنوان سے ایک بڑی اہم تحریر مولانا سید نور پاشاہ باشیبان انعامدار قادری اشرفی بلگامی نے تحریر فرمائی ہے، جب کہ مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی، دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، افریقہ نے "شیخ الاسلام کے نام" ایک معلومات افزا اور محبت افروز قصیدہ لکھا ہے۔ قصیدہ کا پہلا شعر ہے۔

مجھ سے احباب مصر ہیں کہ قصیدہ لکھوں
شیخ اسلام کے اوصافِ حمیدہ لکھوں

اس کے بعد چند اہم مضامین ہیں "بانیِ خانوادۂ اشرفیہ ایک تحقیقی مطالعہ، شیخ الاسلام کی شخصیت کی چند سوانحی جھلکیاں، سید السادات حضرت شیخ الاسلام، شیخ الاسلام کی شخصیت پیغامِ امن" ان کے بعد پانچ مضامین حضرت محدثِ اعظم ہند کے ترجمۂ قرآن اور تفسیر اشرفی کے تعلق سے ہیں۔ پہلا مقالہ محبِ گرامی حضرت مولانا عارف اللہ مصباحی استاذ مدرسہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ کا ہے۔

حضرت شیخ الاسلام اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

"اس ضرورت کو محدث اعظم ہند نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اپنی تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآن مجید کے ترجمہ و تفسیر کا قصد فرمایا۔ ار ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ میں پورے قرآن پاک کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔"

تفسیر کے بارے میں حضرت شیخ الاسلام فرماتے ہیں:

"تفسیر صرف تین پارے اور چند رکوع کی ہو سکی تھی کہ حضرت غم نصیبوں کو داغ مفارقت دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ گھر میں تلاش کرنے کے بعد صرف ایک پارے کی تفسیر مل سکی، بقیہ دو پارے کی تفسیر خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس کے ہاتھ لگی۔"

دوسرے پارے سے حضرت شیخ الاسلام نے تفسیر لکھنا شروع فرمائی اور بفضلہٖ تعالیٰ حضرت محدثِ اعظم ہند علیہ الرحمۃ کے طرز پر پورے قرآن عظیم کی تفسیر مکمل فرما دی۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (پ:۵، النساء، ۴/۳۴) ترجمہ: مرد لوگ حکمراں ہیں عورتوں پر۔

حضرت شیخ الاسلام اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"مرد لوگ حکمراں ہیں عورتوں پر یعنی عورتوں کے منتظم اور کفیل ہیں، ان کی ضروریات کو پوری کرنے والے ہیں اور ان کا خرچ برداشت کرنے والے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی عصمت و پاکیزگی کے محافظ ہیں۔" (تفسیر اشرفی دوم، ص:۱۷۵)

اس طرح بیبیوں کو مارنے کے تعلق سے غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام اس کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"یہ اسلام کا تدریجی تربیتی نظام ہے۔ اس کا مقصد بنیادی طور

پر کسی کو اذیت پہنچانا نہیں ہے، بلکہ اس سرکشی کی اصلاح حال کے لیے اور اس کے ادب و تہذیب کے دائرے میں لانے کے لیے اپنی حاکمانہ اور مربیانہ ذمہ داریوں کو پورا کرنا ہے۔" (تفسیر اشرفی دوم ص:۱۷۶)

تفسیر اشرفی گرچہ ہمارے پاس ہے، مگر بطور تبصرہ یہ عبارتیں ہم نے حضرت مولانا عارف اللہ مصباحی کے وقیع مضمون سے نقل کی ہیں۔

تفسیر اشرفی کے موضوع پر درج ذیل معروف شخصیات کی گراں قدر تحریریں بھی ہیں:۔

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر، گلبرگہ، پروفیسر مجید بیدار۔ حیدر آباد، ڈاکٹر منظور احمد دکنی، غلام ربانی فدا عالم مدیر جہانِ نعت، ان حضرات کی نگارشات بھی اپنے اپنے اعتبار سے بڑی موقر اور جامع ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام کی درج ذیل نثری اور منظوم کتب ہیں۔

صحیفۂ ہدایت، النبی الامی، مسلم پرسنل لا یا اسلامک لا؟، دین اور اقامتِ دین، تفہیمِ دین و تصدیقِ جبرئیلِ امین، ویڈیو، ٹی وی کا شرعی استعمال، اتباعِ نبوی، تحریک دعوت اسلامی کا تنقیدی جائزہ، دینِ کامل، رسول کی دعا دلوں کا چین، مقالات شیخ الاسلام، مقصد تخلیق عبادت، معراجِ عبدیت، سفرِ آخرت، غیر اللہ سے مدد، نظریۂ ختم نبوا اور تحذیر الناس، سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی، اسلام کا تصورِ الٰہ اور مودودی صاحب، خطباتِ برطانیہ، کتابتِ نسواں اور عصری تقاضے، فریضۂ دعوت و تبلیغ، عرفانِ اولیا، تجلیاتِ سخن، انما الاعمال بالنیات، تفسیر سورۃ والضحیٰ، محبتِ رسول۔ روحِ ایمان، پارۂ دل، بارانِ رحمت، اسلام کا نظریۂ عبادت اور مودودی صاحب، امام احمد رضا اور اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ، الاربعین الاشرفی فی تفہیم الحدیث النبوی، رسولِ اکرم کے تشریعی اختیارات۔

انتہائی عجلت میں چند کتابوں کے اسماشمار کیے ہیں ہو سکتا ہے ابھی اور بھی کچھ باقی ہوں، ان کے علاوہ آپ کے مقالات، مضامین اور فتاویٰ بھی ہوں گے۔ ان کتابوں میں سے بعض پر علما اور دانش وروں نے اہم مقالات اور مضامین سپردِ قلم فرمائے ہیں، اس مختصر تحریر میں ان سب پر گفتگو کرنا ہمارے بس کی بات نہیں۔ سرِ دست ہم یہاں ان کے شاعرانہ منصب کی جھلک دکھاتے ہیں۔ آپ کا تخلص اختر ہے۔ آپ نے حمد، مناجات، نعت، منقبت نظم اور غزل کے میدانوں میں جوہر دکھائے ہیں۔ ذیل میں نعتِ مصطفیٰ ﷺ کے دو شعر دیکھیے۔

جی میں آتا ہے لپٹ جاؤں مزارِ پاک سے
کیا کروں، ہے میرے ارمانوں کی قاتل احتیاط
بس اسی کو ہے ثنائے مصطفیٰ لکھنے کا حق
جس قلم کی روشنائی میں ہو شامل احتیاط

آپ کی غزلیہ شاعری بھی بہت بلند ہے، مگر افسوس آپ کا تعارف شاعری میں کم اور دیگر علوم و فنون میں زیادہ ہوا۔ اب ذیل میں حضرت شیخ الاسلام کی غزلوں کے چند اشعار دیکھیے۔ شہرۂ آفاق شاعر غالبؔ کا مطلع ہے۔

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

حضرت اخترؔ کی غزل کا مطلع اسی زمین پر ہے۔

یاد ہے صحنِ چمن میں ترا خنداں ہونا
اور پھولوں کا وہ انگشت بدنداں ہونا

شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبالؔ کا شعر ہے۔

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مِرے عرقِ انفعال کے

اب حضرت اخترؔ کی عارفانہ فکر کا رنگ دیکھیے، اقبال کی فکر سے کتنی مناسبت ہے۔

ضیا جو پھوٹتی ہے قطرۂ اشکِ ندامت سے
اسے مہرِ درخشاں کی کرن کہنا ہی پڑتا ہے

حضرت اخترؔ کی سراپا نگاری دیکھیے۔

یہ بھی ہیں چہرۂ پر نور کے پروانے دو
دوش پر کاکلِ خمدار کو بل کھانے دو
کہہ رہی ہے رخ پہ یہ بکھری ہوئی زلفِ حسیں
ابر کے پیچھے کئی برقِ تپاں روپوش ہے
بدمست گھٹاؤ یہ تو کہو اس وقت ہمیں کیا لازم ہے
جب ساغرِ عارض موج میں ہو، جب زلف پریشاں ہو جائے

جو کچھ ہم نے تحریر کیا اسے تبصرہ کہنا مناسب نہیں، یہ تو عقیدت کے چند پھول ہیں۔ ان کی حیات و فکر کا ایک جہان نہیں، بلکہ جہاں در جہاں ایک وسیع کائنات ہے۔

ہمیں خوب یاد ہے، دو ایک سال پہلے کی بات ہے کہ تنظیم ابنائے اشرفیہ مبارک پور میں یہ اتفاق رائے طے پایا کہ اس بار عرس حافظ ملت کے موقع پر ایک "حافظ ملت ایوارڈ" آپ کی علمی، دینی خدمات اور عالمی صوفیانہ کارکردگی کے حوالے سے پیش کیا جائے۔ ہم چند اساتذۂ اشرفیہ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، باقی گفتگو کے بعد جب یہ ایوارڈ کی خوش خبری سنائی تو حضرت شیخ الاسلام نے بہت خوب صورتی کے ساتھ معذرت فرمالی۔ فرمایا کہ ہم ایسی جگہ جانے سے پرہیز کرتے ہیں جہاں تعریف کا ہونا یقینی ہو۔ اس موقع پر حضرت نے پیشِ نظر "شخص اور عکس" نمبر بھی عنایت فرمایا۔ اس موقع پر آپ نے فرمایا: بلگام میں سیمینار ہوا، مگر ہم نے معذرت کر لی اور چند مثالیں پیش فرمائیں، ہم لوگ بڑے گہرے تاثر کے ساتھ واپس ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ کرم ہمارے سروں پر تادیر باقی رکھے۔ آمین۔ ☆☆☆

نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

نعت

ہے سورۂ والشمس اگر روئے محمد
واللیل کی تفسیر ہوئی موئے محمد

جب روئے محمد کی نظر آئی تجلی
سمجھا میں شبِ قدر ہے گیسوے محمد

کم ساتھ ہوا روئے نکو خوے نکو کا
ہے نیک مگر روے صفت خوے محمد

ہے سرمۂ کوری میں نہاں دیدۂ بد بیں
جس دن سے عیاں ہے رخِ نیکوے محمد

ماہِ نوِ شوال سے عاشق کو نہیں عید
جب تک نظر آجائے نہ ابروے محمد

کس وضع اٹھائے ہوئے ہیں بارِ دوعالم
ظاہر میں تو نازک سے ہیں بازوئے محمد

تھا بیش بہا حسن کے بازار میں یوسف
پر ہو نہ سکا سنگ ترازوے محمد

گلگشت گلستاں میں پڑھو صلِ علیٰ تم
ہر پھول کی بو میں ہے رچی بوے محمد

کعبہ کی طرف منہ ہو نمازوں میں ہمارا
کعبہ کا شب و روز ہے منہ سوے محمد

ہر نخلِ بیابانِ عرب مجھ کو ہے طوبیٰ
ہوں شیفتۂ قامتِ دل جوے محمد

رضواں کے لیے لے چلو سوغات شہیدؔی
گر ہاتھ لگے خار و خسِ کوے محمد

از: کرامت علی خاں شہیدؔی

نعت

(۱)

بالائے آسماں کہ سرِ لا مکاں نہ تھا
احمد کے حسنِ پاک کا جلوہ کہاں نہ تھا

پڑتی دلِ عدو پہ نہ کیوں کر سنانِ رشک
اس نوک کا حجاز میں کوئی جواں نہ تھا

معراج کے سفر میں ملائک تھے راست چپ
افسوس میں غبارِ پسِ کارواں نہ تھا

ڈرنا تھا روزِ عرض دلاول کرے کمی
کچھ اور اضطراب دمِ امتحاں نہ تھا

جلدی تھی کیا کہ خوانِ شفاعت تھا میرے ہاتھ
گھر کا غلام تھا میں کوئی میہماں نہ تھا

فارغ ہر ایک غم سے رہے ساکنِ حجاز
کیا اس زمیں کا تختہ تہِ آسماں نہ تھا

اچھا ہوا کہ الفت حضرت میں جان دی
ان داموں اے امیرؔ یہ سودا گراں نہ تھا

(۲)

دل کبھی قصدِ زیارت میں جو دَم لیتا ہے
چل کھڑے ہونے کی شوق اس سے قسم لیتا ہے

قصد ہستی کا جو کرتا ہے تو ہمسر اس کا
راستے ہی سے وہ پھر راہِ عدم لیتا ہے

گھر سے چلتا ہے مدینے کی طرف جو زائر
ہر قدم بڑھ کے ثواب اس کے قدم لیتا ہے

حکم دیتے ہیں جو حضرت تو برہمن کیسا
اٹھ کے بت خانۂ بت راہِ حرم لیتا ہے

مدحِ حضرت سے ملا ہے مجھے رتبہ یہ امیرؔ
نام تعظیم سے حسانِ عجم لیتا ہے

از: حضرت امیرؔ مینائی

نعت

اس رخِ پاک کا جس بزم میں چرچا ہوگا
در و دیوار سے واں نور برستا ہوگا

کیوں نہ ہو غیرتِ برگِ شجرِ طور زباں
جب مرے منہ میں ترا وصف سراپا ہوگا

حبّذا صاف جبیں صلِ علیٰ پیشانی
شعلۂ طور خجل دیکھ یہ ماتھا ہوگا

اُس قدِ پاک کے سائے کا بندھا ہے جو خیال
اخترِ بخت عدم میں مرا چمکا ہوگا

ماہِ نو عیدِ شفاعت کا چمک جاوے گا
جس طرف حشر میں ابرو کا اشارہ ہوگا

شانِ محبوبی سے جب آپ نکل آئیں گے
روکشِ صحنِ چمن حشر کا عرصہ ہوگا

جائیں گے سوے چمن کنجِ قفس سے چھٹ کر
اپنی قسمت میں کوئی اور بھی ایسا ہوگا

ہم صفیرو مرا احوال بھی کہلا بھیجو
کوئی زوّار مدینے کو بھی جاتا ہوگا

ہے مدینے کی زیارت کا جو کافؔی مشتاق
یہ ارادہ مرا یارب کبھی پورا ہوگا؟

از: سید کفایت علی کافی مرادآبادی

وفیات

نوجوان عالم دین مولانا نسیم رضا مصباحی کا وصال پر ملال

جواں سال عالم دین مولانا نسیم رضا مصباحی (پی. ایچ. ڈی) شعبۂ اسلامیات، جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی) دہلی کے اپولو اسپتال میں ایک طویل علالت وعلاج کے بعد انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا نسیم رضا مرحوم پچھلی ایک دہائی سے سانس لینے کی تکلیف میں مبتلا تھے، جس کے لیے گلے کے کئی آپریشن بھی ہوئے تھے، بعد میں گلے میں کینسر جیسے مہلک مرض سے بھی متاثر رہے۔ "مرضی مولاز ہمہ اولیٰ" کے تحت کافی علاج و معالجہ کے باوجود جانبر نہ ہو سکے اور راہیِ ملکِ عدم ہو گئے۔ ان کے وصال کی خبر نے لوگوں کو حد درجہ غم گین کر دیا۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ وطلبہ نے اپنے اس ہونہار فرزند کی وفات کو ایک عظیم سانحہ قرار دیتے ہوئے ان کے حق میں دعاے مغفرت اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی تلقین کی۔

۱۴ر جنوری ۲۰۱۶ء کو جامعہ اشرفیہ، مبارک پور کی عزیز المساجد میں مولانا نسیم رضا مصباحی کی رحلت پر اجتماعی دعا اور تعزیتی نشست کا اہتمام کیا گیا، جس میں جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ نے شرکت کی۔

حضرت مفتی محمد زاہد علی سلامی دام ظلہ العالی نے اپنے تعزیتی کلمات میں کہا کہ: مولانا نسیم رضا مصباحی جامعہ اشرفیہ کے ایک با صلاحیت فرزند تھے۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی سے "امام احمد رضا بریلوی اور معاصر شعرا کی نعتیہ شاعری" پر پی ایچ ڈی کر رہے تھے۔ ان کی رحلت سے اہلِ سنت و جماعت کا ایک عظیم نقصان ہوا۔

مولانا قاری محمد رضا مصباحی نے کہا: مولانا موصوف نہایت شریف النفس اور سنجیدہ مزاج انسان تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ آمین۔

مولانا نسیم رضا مصباحی ایک علم دوست اور تعلیم و تعلم کے شیدائی تھے اور تصنیف و تالیف کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔

اپنی طبعی عمر کا نصف حصہ حصولِ تعلیم میں گزارا۔ جامعہ ملیہ، نئی دہلی سے "اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری اور معاصر شعرائے نعت کا تقابلی مطالعہ" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کر رہے تھے۔ "نقوش سلیمان، از: سید سلیمان ندوی کا تنقیدی جائزہ" کے عنوان پر ایم. فل. کر چکے تھے۔ وہ ایک ہونہار اسلامی اسکالر تھے، اب تک ایک انٹرنیشنل اور تین نیشنل سیمیناروں میں مقالے پیش کر چکے تھے۔ انھوں نے "وسیلہ عقیدہ و عمل: حقائق و فضائل" کے نام سے ایک کتاب بھی یادگار چھوڑی ہے۔

مولانا کے جسدِ خاکی کو دہلی سے ایمبولینس کے ذریعہ آبائی وطن ابابکر پور، ویشالی بہار لایا گیا۔ وصیت کے مطابق جناب مولانا ظفرالدین برکاتی، مدیر اعلیٰ ماہنامہ کنزالایمان دہلی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ مولانا موصوف کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین ماہ نامہ اشرفیہ سے دعاے مغفرت کی درخواست ہے۔

نوجوان فاضل مولانا محمد منیف رضا بریلوی کا انتقال

۲۶ر دسمبر ۲۰۱۷ء بروز منگل حضرت مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی کے صاحب زادے جناب مولانا محمد منیف رضا کا انتقال ہو گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا مرحوم کی وفات کی خبر سن کر جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ وطلبہ نے اپنے گہرے رنج و افسوس کا اظہار کیا اور کلمۂ استرجاع پڑھ کر مرحوم کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ ایک باصلاحیت نوجوان عالم دین کی غیر طبعی موت نے سب کو ہلا کر رکھ دیا۔ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف، خانقاہ رضویہ، بریلی شریف کے علما و مشائخ اور دیگر ذمہ داران نے مولانا مرحوم کی وفات کو جماعت اہلِ سنت کا ایک عظیم نقصان قرار دیا۔ امام احمد رضا اکیڈمی بریلی شریف کو شہرت و ترقی دلانے میں ان کا اہم کردار رہا۔

دل کے آپریشن کے بعد ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۶ء تک انھیں صحت یابی کا جو زمانہ میسر ہوا، وہ صرف ۱۵ر سال کا ہے۔ ان ۱۵ر سالوں میں حفظ قرآن، اسکولی تعلیم، مدرسہ سے فضیلت تک کی تعلیم حاصل کرنے کے علاوہ انھوں نے بہت سارے نمایاں کام انجام دیے۔ امام احمد رضا اکیڈمی سے اب تک سو سے زیادہ کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں سے اکثر کتابوں کی کمپوزنگ اور تزئین کاری کا کام انھیں کے ذریعہ انجام پایا۔

جامع الاحادیث کی آخری چار جلدیں، فتاویٰ بحر العلوم کی چھ جلدیں، حاشیہ بیضاوی کی تین جلدیں، بحر العلوم نمبر کی ایک ضخیم جلد، فتاویٰ اجملیہ کی چار جلدیں، فتاویٰ مفتی اعظم ہند کی سات جلدیں۔ ان تمام کتابوں کی کمپوزنگ، پیرایہ بندی اور تزئین کاری کا کام مولانا منیف رضا مرحوم نے نہایت عرق ریزی اور جاں فشانی کے ساتھ انجام دیا۔

فتاویٰ رضویہ کا طبع جدید ان کا ایک مثالی کارنامہ ہے۔ ۲۲ر جلدوں پر مشتمل اس عظیم فقہی انسائیکلوپیڈیا کو بہتر سے بہتر بنانے میں انھوں نے

کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ پوری کتاب میں سوالات و جوابات کے جلی عنوانات قائم کیے، چار سو سے زیادہ قرآنی آیات کو قرآن کریم کے سافٹ ویئر سے سرچ کر کے خوب صورت رسم قرآنی کے مطابق چسپاں کیا۔ تحقیق و تخریج کے علاوہ حوالہ جات کی نمبرنگ نمایاں انداز میں سیٹ کی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے محبوب ﷺ کے صدقے موصوف کی ان خدمات کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ ان کے صغائر و کبائر کو معاف فرماتے ہوئے انھیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قارئینِ ماہ نامہ اشرفیہ سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

از: طفیل احمد مصباحی

اشرف العلما مفتی اشرف القادری کی رحلت

ہند و نیپال کی سرحد پر واقع بستی ”نینہی“ جو نیپال کے ضلع مہوتری کے تحت واقع ہے اس بستی میں اپنی زندگی کی اکثر یادوں کو چھوڑ کر آج بروز بدھ ۲۵ جنوری کو ملت کے ایک عظیم رہنما حضرت اشرف العلما شیخ طریقت مفتی اعظم نیپال الشاہ مفتی اشرف القادری تیغی علیہ الرحمہ دار فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ کی پیدائش ۱۳۱۷ھ میں مذکورہ بستی میں ہوئی، آپکا خاندان آبا و اجداد سے معزز شمار کیا جاتا رہا ہے، حضرت مفتی اشرف القادری ایک منکسر المزاج شخصیت مالک تھے، لباس میں سادگی اور متانت ہوتی، آپکو دیکھنے کے بعد عام آدمی کو آپ کی علمی گیرائی کا احساس بھی نہیں ہوتا، ہمہ وقت ایک چٹائی اور اس پر ایک دری ہوتی جس پر آپ جلوہ بار رہا کرتے تھے اور اپنے مریدین، متوسلین کی فریاد سنتے ان کی اصلاح فرماتے لباس وضع میں ذرہ برابر بھی تصنع نہیں ہوتا، درس و تدریس، افتا و قضا، تصنیف و تالیف، شعر و ادب سے گہرا لگاؤ تھا، تاریخ و سیر، عقائد، فقہ، تفسیر، حدیث، عربی ادب جیسے علوم فنون میں اپنی یادگار تصنیفیں قوم و ملت کے حوالہ کیا، درس نظامی کی کئی اہم کتابوں کی مبسوط اور اہم شرحیں تصنیف فرمائی، ان میں جماعت فضلیت کی فن تفسیر کی مشہور کتاب ”تفسیر بیضاوی“ کی شرح ”الفیض السماوی“، عقائد کی معرکۃ الآرا کتاب ”شرح عقائد“ کی شرح ”الشرح النوری“ فن مناظرہ کی واحد شامل درس کتاب ”مناظرہ رشیدیہ“ کا ایک خلاصہ، اور شرح الوقایہ کی شرح شامل ہیں، مکمل ۳۳ر کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں، پورے ملک نیپال میں اتنی کثیر اور گراں قدر تصنیفات آپکے علاوہ کسی دوسری شخصیت کے نام نہیں ملتی، حالانکہ آپ کافی مصروف زندگی گزارتے تھے، تبلیغ اور رشد و ہدایت کا سلسلہ بھی موقوف نہیں ہوتا، افتا و قضا کی اہم ذمہ داری بھی بخوبی انجام دیتے تقریباً ایک ہزار سے زائد فتاوے آپ نے رقم کیے، آپ علمی حلقہ میں اپنے تبحر علمی، دقیقہ سنجی کے سبب ”اشرف العلما“ ”بدر الافاضل“ جیسے اعلی القابات سے متعارف تھے، آپ مفتی اعظم ہند علامہ مصطفی رضا خاں علیہ الرحمہ سے بیعت رکھتے تھے، اور سلسلہ تیغیہ کے مشہور بزرگ حضرت جلالۃ الارشاد صوفی نمازی تیغی علیہ الرحمہ سے خلافت و اجازت حاصل تھی، آپ بیعت و ارشاد سلسلہ تیغیہ میں کیا کرتے تھے، آپ کی ہی کے کوششوں سے نیپال اور اسے کے قرب جوار میں سلسلہ آبادانیہ فریدیہ تیغیہ کا فروغ ہوا۔

تعلیم: درس نظامی کی ابتدائی کتابوں کی تعلیم سیتامڑھی کے ایک معروف بستی ”باڑا“ کے مدرسہ شمس العلوم میں حضرت محدث جلیل علامہ الیاس رضوی تیغی علیہ الرحمہ (برادر اکبر حضرت شیخ طریقت طبیب ملت حافظ اخلاق احمد نوری یوسفی تیغی کھرساہا شریف و خلیفہ اول حضرت جلالۃ المشائخ صوفی شاہ یوسف تیغی علیہ الرحمہ) کے زیر سایہ کرم ہوئی چونکہ حضرت محدث جلیل بھی ایک صوفی اور شیخ طریقت تھے اس لیے آپ نے اپنے اس شاگرد رشید کو علم ظاہری کے علاوہ علم باطنی کی بھی تعلیم دیتے رہے، حضرت اشرف العلما علیہ الرحمہ نے باڑا میں مکمل ۳سال تک حضرت محدث جلیل علامہ الیاس رضوی تیغی علیہ الرحمہ سے استفادہ کیا پھر مظفر پور، مقصود پور جامعہ قادریہ میں داخلہ لیا اور یہاں بھی ۳ر سالوں تک جید علمائے کرام سے اپنی علمی تشنگی بجھاتے رہے۔

درجات عالیہ کے لیے ازہر ہند جامعہ اشرفیہ مبارکپور حاضر ہوئے اور حضرت بحر العلوم مفتی عبد المنان اعظمی علیہ الرحمہ سے تفسیر جلالین، حضرت قاضی شفیع احمد علیہ الرحمہ سے ملا حسن، اور شرح عقائد نسفی اور دیگر علما سے مشکوۃ المصابیح، مختصر المعانی، اور میر زاہد پڑھی، اور حافظ ملت کی علمی مجلسوں سے خوب خوب استفادہ کیا، جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں مدت تعلیم ایک سال رہی، پھر اس کے بعد فضیلت کی تکمیل کے لیے حضرت علامہ معین الدین اشرفی کا علمی شہرہ سن کر جامعہ عربیہ سلطان پور، یوپی تشریف لائے اور یہاں حضرت علامہ معین الدین علیہ الرحمہ سے بخاری شریف، اور امام علم و فن حضرت خواجہ مظفر حسین پورنوی علیہ الرحمہ سے بیضاوی شریف پڑھی، ۱۳۹۴ھ میں دستار فضیلت سے نوازے گئے۔

میدان عمل: فراغت کے بعد نیپال کی ایک معیاری درس گاہ مدرسہ ”اصلاح المسلمین“ بھمر پورہ، میں استاد کی حیثیت تقرری ہوئی، یہاں مشکوٰۃ، ہدایہ، جلالین، تک درس دیا، پھر دارالعلوم قادریہ رشیدیہ جلیشور، میں بحیثیت صدر المدرسین و مفتی تشریف لائے، اور یہاں طویل عرصہ تک اپنی اعلی خدمات سے طالبان علوم نبویہ کو خوب خوب

سیراب کیا اس کے بعد، مظفر پور کی مشہور درس گاہ "مدینۃ العلوم "پھکولی تشریف لے گئے، ۱۴۱۶ھ تک اپنی گراں قدر تدریسی خدمات سے متلا شیان علوم نبویہ کی تشنگی بجھائی۔

خانقاہ تیغیہ "نیپھی": درس و تدریس کے ان تمام ادوار میں آپ اپنی بے پناہ صلاحیت کے سبب قرب و جوار میں کافی مشہور و مقبول ہوئے، اور علمی حلقوں میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے، ہو گئے ،سینکڑوں کی تعداد میں تلامذہ، مریدین، متوسلین، کو فیض یاب کیا، اور رشد ہدایت کے سلسلہ کو مستقل طور پر انجام دینے کے لیے "نیپھی" میں خانقاہ تیغیہ کی بنیاد ڈالی اور اسی خانقاہ کو اپنی زندگی کے آخری لمحات تک مسند رشد و ہدایت بنائے رکھا، آپ ایک شیخ کامل ہونے کی حیثیت سے بے شمار مسترشدین کے لیے مرجع عقیدت، اور باکمال مدرس ہونے کی حیثیت سے ہزاروں کی تعداد میں علما فقہا کے استاد، تصنیف و تالیف کے میدان کے ایک عظیم قلم کار تھے، اخلاق و کردار میں پوری زندگی دوسروں کے لیے نمونہ عمل رہی ، ہر طرح کے اختلافی معاملات سے پہلو تہی کیے رہتے، اپنے معاصر میں اپنی اعلی خدمات کے سبب ممتاز اور فائق تھے، آپ کی زندگی کی نادر اور قیمتی تصنیفی خدمات سلسلہ تیغیہ میں آپ کی ذات کے لیے ہی مختص تھی ، اپنے شیخ صوفی نمازی علیہ الرحمہ کی زندگی کو طریقت کے میدان میں اپنے لیے مشعل راہ بنایا اور خانقاہ تیغیہ "نیپھی" سے علمی و روحانی فیوض و برکات سے کثیر لوگوں کو سیراب کیا۔

سفر آخرت: زندگی کے اخیر ایام میں کئی ماہ بستر علالت پہ رہے، علاج و معالجہ جاری رہا لیکن وصال حبیب یار کا وقت آچکا تھا، بالآخر علم و عمل کا یہ کوہ گراں ، اپنی بے شمار انقلابی، تصنیفی ، علمی یادوں کو چھوڑ کر، مطابق ۲۶/ ربیع الغوث ۱۴۳۸ھ ۲۵/ جنوری ۲۰۱۷ء کو لقائے حبیب یار کے لیے عازم سفر ہوا، آخری آرام گاہ "نیپھی" ہی میں واقع ہے نماز جنازہ میں کثیر تعداد میں علما، فقہا، صوفیا، شیوخ، اور عوام الناس نے شرکت کی، جنازہ کی اتنی بھیڑ اس قرب جوار والوں نے آج تک نہیں دیکھی تھی، مجمع کی کثرت سے عوام و خواص انگشت بدنداں تھے، آپ کے لائق و فائق شہزادہ خلف اکبر مولانا صدر عالم تیغی نے نماز جنازہ پڑھائی، پھر آپ کے اس آبائی گاؤں میں سپرد خاک کیا گیا، آپ کی رحلت ملت اسلامیہ کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے جس سے پوری ملت غم و اندوہ کے ماحول میں ہے، ہر آنکھ نم ہے کیوں کہ قوم نے اپنے ایک بہت بڑے رہنما کو کھو دیا ہے جس کی کمی ایک زمانے تک کھلتی رہے گی۔

دو ملاقاتوں کی یادگار باتیں : اس احقر کو حضرت اشرف العلما سے دو مرتبہ شرف لقا حاصل ہوا، ان دونوں ملاقاتوں میں جو باتیں میں نے محسوس کی وہ یہ کہ اتنی بڑی شخصیت لیکن ذرہ برابر لباس و وضع میں تصنع نہیں گفتگو میں حلاوت اور آہستگی ہمہ وقت رہتی میں پہلی ملاقات، ۲۰۱۱ء میں والد محترم حضرت شیخ طریقت مولانا حافظ اخلاق احمد نوری یوسفی تیغی علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر کتاب کی اشاعت سے قبل ان کی شخصیت پر تاثر کے لیے حاضر ہوا غالباً شام کا وقت تھا یا دن کے ۴/ بج رہے تھے ، میں نے کاپی دیتے ہوئے کہا حضرت یہ کاپی رکھ لیں میں آئندہ آکر لے جاؤنگا آپ نے فرمایا "کیوں؟ میں نے جواب دیا حضرت وقت کی تنگی ہے اور مجھے گھر بھی واپس ہونا ہے، آپ نے فرمایا بابو! بس کچھ منٹ آپ ٹھہریں میں ابھی لکھ دیتا ہوں واقعی مشکل سے میں دس یا پندرہ منٹ وہاں رکا رہا آپ نے ایک صفحہ پر مشتمل شاندار تاثر لکھ کر مجھے عنایت فرما دیا، یہ کام اگر بہت کوئی مشکل نہیں تو بہت آسان بھی نہیں کیونکہ ان سے قبل میں اپنے علاقہ کے کئی ایک علما کے پاس تاثر کے لیے حاضر ہوا لیکن اکثر نے دو تین دن کے بعد فقط ۴/ یا ۵/ سطریں لکھ کر دیں۔

دوسری ملاقات ۲۰۱۴ء میں خانقاہ واحدیہ طیبیہ بلگرام شریف کے صاحب سجادہ جامع طریقت حضرت طاہر ملت سید طاہر میاں کی معیت میں حاضری ہوئی شاید یہ گرمی کا موسم تھا آپ ایک بنیان اور تہبند میں ایک پرانی چٹائی اور بوسیدہ دری پر بیٹھے کچھ تحریر فرما رہے تھے ، یہ بڑی روحانی ملاقات تھی ، حضرت طاہر ملت سے شرف لقا حاصل کر کے آپ بے حد خوش ہوئے، حضرت اشرف العلما نے حضرت طاہر ملت کو اپنی کچھ تصنیفی یادگاریں بھی تحفہ میں عطا کیا، پھر ہم لوگ یہاں سے مظفر پور ریلوے اسٹیشن کے لیے روانہ ہو گئے۔

یہ ملاقات آج تک ہمیں باقاعدہ ذہن نشیں ہے ہماری حرماں نصیبی رہی کہ مزید شرف لقا حاصل نہیں کر سکا، بلکہ نماز جنازہ میں بھی شریک نہیں ہو سکا، کیوں کہ یہ فقیر کیرلا جامعہ سعدیہ عربیہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہا ہے اور بعد مسافت کے سبب حاضر نہ ہو سکا، خیر مجھے امید ہے کہ رب تعالیٰ ان کے در سے بٹنے والے فیوض و برکات سے مجھ گنہگار کو بھی فیض یاب کرے گا، اور ان کی روح کو شادمانی عطا کرے گا یہ ناقصانہ تحریر ان کی روح کے لیے میری طرف سے خراج عقیدت کی حیثیت سے ہے کہ اگر ان کی ذات بالا شخصیت نے قبول کیا۔

از: محمد ارشد رضا قمر اخلاقی امجدی۔ استاد جامعہ سعدیہ عربیہ، کیرلا/ خانقاہ قادریہ تیغیہ اخلاقیہ، سیتامڑھی، بہار

نوٹ: اس مضمون کے سارے مواد احقر کے ذاتی معلومات اور مولانا محمد رضا مصباحی کی کتاب "علمائے نیپال" سے ماخوذ ہے۔

صدائے بازگشت

علامہ سید شاہ تراب الحق قادری مسلک رضا کے حقیقی پاسبان

مکرمی مدیر اعلیٰ صاحب ـــــــ سلام مسنون

اس وقت ماہنامہ اشرفیہ شمارہ نومبر ۲۰۱۶ء پیش نگاہ ہے۔ماہنامہ کے تحقیقی و تنقیدی مضامین کے مطالعہ سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ مبلغ اسلام علامہ سید شاہ تراب الحق قادری پاکستانی علیہ الرحمہ (ولادت ۱۵/ستمبر ۱۹۴۴ء وفات ۶/اکتوبر ۲۰۱۶ء) کی حیات وخدمات کے حوالے سے ۸/صفحات پر مشتمل آپ کا اداریہ بہت خوب ہے۔ آپ نے شاہ صاحب کی زندگی کے اہم گوشوں پر روشنی ڈالی ہے اور آپ کی یہ تحریر شاہ صاحب کی حیات کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔علامہ سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بلاشبہ اس دور میں اہل سنت کے عظیم سپاہی اور مسلک رضا کے حقیقی پاسبان تھے۔ شاہ صاحب کی دینی خدمات نصف صدی پر محیط ہے۔آپ نے اسلام کی نشر واشاعت اور مسلک حقہ اہل سنت وجماعت کے فروغ وتحفظ میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں انھیں رہتی دنیا تک یاد کیا جائے گا۔آپ بے شمار خوبیوں کے حامل تھے جس کا اعتراف آپ کے معاصرین علما ومشائخ نے کیا ہے۔علامہ محمد آصف قادری آپ کی کتاب "دعوت وتنظیم" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں "آپ کی تصنیف لطیف "تصوف وطریقت" پر شیخ التفسیر والحدیث استاذ العلماء مفتی عبدالرزاق چشتی بھترالوی مدظلہ العالی نے تقریظ تحریر فرمائی اور حضرت مصنف مدظلہ کو پیر طریقت، رہبر شریعت، عالم شریعت، واقف رموز طریقت، عارف حقیقت، واقف اسرار حقیقت، مبلغ اسلام، مفکر اسلام، داعیٔ حق، متکلّم حق، عالم حق، عامل علی الحق، واصل الی الحق، مرد مومن اور مرد حق کے القابات سے یاد کیا۔اس سے حضرت مصنف مدظلہ کے علمی و روحانی مقام کا اندازہ کیا جاسکتا ہے"۔آپ نے درس وتدریس، امامت وخطابت اور دعوت وتبلیغ کے علاوہ متعدّد دینی و اصلاحی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ راقم نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دو کتابوں کا باضابطہ مطالعہ کیا ہے۔ ان میں سے پہلی کتاب "مزارات اولیاء اور توسل" ہے، یہ کتاب ۱۳۴/صفحات پر مشتمل ہے جس میں بارہ ابواب ہیں۔ پہلے باب میں زیارت قبور کے فوائد قرآن وحدیث کی روشنی میں بیان کئے گئے ہیں اور دوسرے باب میں روضۂ انور پر حاضری قرآن وحدیث کی روشنی میں، حاضری کے آداب اور ریاض الجنۃ اور قبر اطہر کی اہمیت وفضیلت پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔باب سوم میں صالحین کی برکتیں، محبوبان خدا کے آستانے اور تبرکات صالحین کی برکات کو بیان فرمایا ہے۔ چوتھے باب میں وسیلہ اور توسل نیز ندائے یارسول اللہ کے حوالے سے انتہائی ایمان افروز گفتگو فرمائی ہے۔پانچواں باب حیات النبی ﷺ پر مشتمل ہے۔شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے انبیاء کرام کی حیات پر قرآن وسنت سے دلائل فراہم کرتے ہوئے صحابۂ کرام، اولیاے عظام اور جلیل القدر محدثین ومفسرین اور علماے سلف وصالحین کے عقائد ونظریات کو نقل کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ انبیاے کرام اپنی اپنی قبروں میں حقیقی طور پر زندہ ہیں۔ مصنف علام نے اس ضمن میں ان خوش بختوں کے واقعات کو بھی نقل کیا ہے جنہیں حالت بیداری میں تاجدار کائنات ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی۔چھٹے اور ساتویں باب میں حیات شہدا ومومنین اور حیات اولیا پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔آٹھویں اور نویں باب میں مزارات اولیا پر حاضری کے آداب، مزارات پر چادر اور پھول ڈالنے اور چراغاں کرنے نیز سجدۂ تعظیمی اور مزار کا بوسہ، عورتوں کا قبر پر جانا، مزار پر کھانا کھلانا اور اعراس اولیاے کرام کے سلسلے میں شرعی احکام سپرد قرطاس کرتے ہوئے دعوت فکر وعمل کے عنوان سے ان خامیوں کی بھی نشاندہی کی ہے جنہیں عوام الناس لاعلمی یا ناواقفیت کی بنیاد پر انجام دیتے ہیں۔ اور ان معترضین کی بھی گرفت کی ہے جو محض جاہل عوام کے فعل کو حجت کے طور پر پیش کرکے مزارات پر حاضری اور عرس وفاتحہ کو شرک وبدعت گردانتے ہیں۔ مصنف کتاب رقم طراز ہیں "ہمارا موقف یہی ہے کہ مزارات پر یا ان کے قریب غیر شرعی امور مثلاً مرد وزن کا اختلاط، میلہ بھنگڑا، ڈھول باجے، کھیل تماشے، سجدے اور دیگر ناجائز کاموں کا ارتکاب سخت ناجائز ہے اور محکمہ اوقاف یا متولیان مزارات کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ مذکورہ غیر شرعی امور کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کریں"۔مزید فرماتے ہیں "مزارات سے متعلق جن جائز امور کا ہم نے ذکر کیا آپ بتائیے کہ ان میں سے کون سی چیز ایسی ہے جو کسی دلیل شرعی سے منع ہو؟ باقی رہا اس لچر گفتگو کا معاملہ جو مزارات کے خلاف ہوتی ہے اور مزارات کو شرک وکفر اور بدعتوں کا منبع قرار دیا جاتا ہے، کیا یہ ناانصافی اور زیادتی نہیں کہ ایسے لوگ جاہل اور ان پڑھ عوام کو کچھ کرتا ہوا دیکھ کر ان بزرگان دین کے وارثوں سے جانے اور پوچھے بغیر محض عوام کے عمل پر فتویٰ دے دیتے ہیں اور خود ہی سے کوئی ناجائز فعل یا نظریہ علما ومشائخ کی طرف منسوب کردیتے ہیں۔چاہئے تو یہ کہ ان بزرگان دین واولیاے کرام کے مسلک ومشرب سے تعلق رکھنے والے علماء ومشائخ سے اس کی شرعی حیثیت معلوم کی جائے، صرف عوام کو دیکھ کر فتویٰ داغ دینا کہاں کا انصاف ہے"۔(صفحہ ۹۵،۹۶) دسواں اور گیارہواں باب اہل اللہ سے استعانت اور تصرفات اولیا پر مشتمل ہے۔ مصنف کتاب نے تصرفات اولیا کو قرآن وسنت کی روشنی میں اجاگر کرتے ہوئے اکابر اولیا کے تصرفات کو واقعات کی روشنی میں تحریر فرمایا ہے نیز آخر میں "ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ" کے عنوان کے تحت غیر مقلدین اور دیوبندیوں کے متضاد نظریات کو بھی قلم بند کیا ہے جس سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ اہل سنت کے عقائد ونظریات بالکل حق وسچ ہیں اور اس کے علاوہ جتنے فرقے ہیں وہ افراط وتفریط کا شکار ہوکر صراط مستقیم سے بہت دور جاچکے ہیں۔بارہویں باب میں مزارات اولیا کی برکتیں اور ان نفوس قدسیہ سے حاصل ہونے والے فیوض وبرکات کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ حرف آخر کے تحت انبیاے کرام اور اولیاے عظام سے توسل واستمداد پر "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" کے حوالے سے شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اقتباس نقل کرکے منکرین کے تابوت میں آخری کیل

ٹھونک دی ہے۔

سید شاہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری متاثر کرنے والی کتاب "دعوت وتنظیم" ہے جس کا تذکرہ درج بالا سطور میں کیا جاچکا ہے۔ یہ کتاب بھی اپنے موضوع پر انتہائی اہم اور جامع ہے جو ۱۱۲ر صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں کل چار باب ہیں۔ مصنف علام نے باب اول میں دینی تبلیغ کی اہمیت اور ذرائع دعوت پر روشنی ڈالی ہے۔ باب دوم میں داعیان حق کے اوصاف کو بیان کیا ہے۔ باب سوم میں دعوت اور تنظیم کے اصول وضوابط اور دعوت حق کی شرائط ولوازمات بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔ باب چہارم میں راہ حق کی آزمائشوں کا تذکرہ کرتے ہوئے شاہ صاحب نے علماء ومبلغین حضرات کو دعوت کے راستے میں پیش آنے والی مشکلات پر ثابت قدم رہنے کی تلقین کی ہے۔ کتاب کے اختتام پر رقم طراز ہیں "اگر آپ دنیا وآخرت کی کامیابی کے طلب گار ہیں تو آقا ومولیٰ ﷺ کے مشن کے سپاہی بن جائیے، اللہ تعالیٰ کی رحمت ونصرت آپ کو اپنی آغوش میں لے لے گی۔ فرمان الٰہی ہے "اور جنہوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انہیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے"۔ (العنکبوت آیت ۶۹)

شاہ صاحب کے لکھنے کا اسلوب نہایت سادہ، سہل اور شگفتہ ہے۔ آپ کی تحریریں دلائل وبراہین سے مزین ہیں جو قاری کے ذہن وفکر کو متاثر کرتی ہیں۔ علامہ عبد المبین صاحب نعمانی نے اپنے مکتوب میں شاہ صاحب کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے بڑی انوکھی بات کہی ہے کہ "آج ہمارے علما ومشائخ جب رحلت کرکے قبر میں آرام فرما ہوتے ہیں تو ان کی دینی خدمات کو طاق نسیاں کی نذر کر دیا جاتا ہے اور ساری توجہ مزار وچادر اور تعمیر قبہ کی طرف مبذول کر دی جاتی ہے جب کہ اولین درجے میں ان کے آثار علمیہ کی اشاعت پر توجہ دینی چاہئے کہ یہی ان کا سب سے بڑا فیضان ہے اور ان کے لئے سب سے بڑا ایصال ثواب بھی"۔ میں اس بات پر پوری طرح متفق ہوں۔ یقینا علامہ تراب الحق قادری رحمۃ اللہ علیہ نے کتابوں کی شکل میں جو عظیم سرمایہ چھوڑا ہے آپ سے عقیدت رکھنے والوں پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اس کی خوب سے خوب اشاعت کرکے آپ کے علمی فیضان کو عام وتام کریں۔ والسلام از: محمد عرفان قادری۔

استاذ: مدرسہ حنفیہ ضیاء القرآن، لکھنؤ

JIO آفر نے طلبہ کے تابناک مستقبل کو تاریک بنادیا

اس حقیقت سے قطعی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ جدید ٹیکنالوجی جیسے جام جہاں نما کے وجود نے لوگوں کو جہاں سیکڑوں فوائد سے بہرہ ور کیا ہے، وہیں درجنوں نقصانات سے بھی دوچار کیا ہے۔ پہلے کی بہ نسبت اب جدید ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ کا استعمال ہر کس وناکس کے لیے ناگزیر حصہ بن گیا ہے۔ اب کافی تعداد میں لوگ سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹ پر نظر آرہے ہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ پہلے انٹرنیٹ کے استعمال کے لیے لوگوں کو ڈیٹا (DATA) کی شکل میں بھاری رقم ادا کرنی پڑتی تھی، جس کی وجہ سے زیادہ تر امیر یا پھر متوسط طبقہ کے افراد ہی اس وبا کے شکار تھے، لیکن ریلائنس کمپنی نے Jio سم کی شکل میں جو تحفہ عطا کیا، اس کی وجہ سے ہر کسی کے لیے اس کا استعمال قدرے آسان ہو گیا، یقیناً Jio لوگوں کے لیے فائدہ مند ہے، Jio نے لوگوں کو جتنا فائدہ پہنچایا ہے، اس سے کہیں زیادہ لوگوں اور خاص طور سے طلبہ کو زوال وانحطاط کے دروازے تک پہنچا دیا ہے۔ Jio کے ذریعہ آج اکثر طلبہ خواہ وہ مدارس کے ہوں یا اسکول، کالجز اور یونیورسٹیز وغیرہ کے، جس بے دردی کے ساتھ اپنے قیمتی اوقات ضائع کر رہے ہیں، اور دھڑلے سے یوٹیوب وغیرہ پر فحاشی کے ویڈیوز اور تصاویر وغیرہ دیکھ رہے ہیں، اس سے جہاں ان کی تعلیم پر برا اثر پڑ رہا ہے، وہیں ان کی صحت بھی متاثر ہو رہی ہے۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اس مرض میں صرف بے حس اور مستقبل فراموش طلبہ ہی مبتلا ہیں، بلکہ اچھے پڑھنے لکھنے والے طلبہ بھی گھنٹوں سوشل نیٹ ورکنگ ویب سائٹس پر بے جا وقت صَرف کرتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ آج طلبہ اس مرض میں اس قدر مبتلا ہو چکے ہیں کہ انھیں نہ تو نماز کی فرصت ہے اور نہ ہی اپنے مستقبل کا خیال۔ وہ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ ان کے والدین ان کی تعلیم کا خرچ پورا کرنے کے لیے کتنی پریشانیوں کا سامنا کرتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ بھی یہ سم استعمال کر رہے ہیں ان کو چاہیے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ مثبت فائدہ حاصل کریں اور غیر ضروری ویڈیوز وغیرہ دیکھنے سے گریز کریں اور تضییعِ اوقات سے بچیں۔ از: محمد کلیم اشرف رضوی مظفرپوری، متعلّم جامعہ اشرفیہ

اور دیوارِ حیات سے ایک اینٹ گر گئی

مکرمی! راقم الحروف ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۶ء گیارہ بجے رات خلافِ قیاس رضائی کھینچ لی، ابھی ایک گھنٹی بھی نہیں گزر پایا تھا کہ سیکڑوں میل دور سے، ابھی ایک گھنٹہ بھی نہیں گزر پایا تھا کہ سیکڑوں میل دور سے ایک دوست نئی خوشیاں، نئی امنگوں کی فریاد کے ساتھ میرے کانوں تک پہنچ گئے۔ چاروناچار میں نے موبائل ریسیو تو کر لیا لیکن غفلتِ خواب نے مجھے بے نیاز کر دیا اور میں ہیلو ہیلو ہی کرتا رہا۔ جب کہ دوسری جانب یارِ محبت یہی کہتا رہا کہ بھائی آپ کو یہ لمحہ یاد نہیں ہے؟ ابھی کچھ ہی دیر میں نئے سال کی آمد کی ڈفلی بجنے والی ہے اور اس کی مبارک باد دینے کی خاطر ہم گلدستہ کی شکل میں کال کر رہے ہیں، آپ غفلت سے بیدار تو ہوئیے، بار بار اصرار نے مجھے جاگنے پر مجبور کر دیا، میں بھی ہوش وحواس کی قندیل کو روشن کیا اور آنکھ ملتے ملتے جواب دیا کہ جناب عالی! کس نئے سال کی آمد ہوئی ہے وہ بارہ مہینوں سے زیادہ نہیں ٹک سکا۔ آپ کی بات صحیح ہے، مسکراتے ہوئے اس نے جواب دیا، پھر میں نے کہا کہ جس سال نو کی آمد کا آپ چراغاں کرنے جارہے ہیں،............(باقی، ص:۵۶ پر)

خیر و خبر

سرکانہی شریف میں عرس تیغی

خانقاہ آبادانیہ سرکانہی شریف مظفرپور (بہار) میں شیخ المشائخ غوثِ زماں الحاج الشاہ محمد تیغ علی قادری علیہ الرحمہ کا ۶۰؍ واں سالانہ عرس مقدس پیرِ طریقت، سراجِ عظمت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد علی براہیمی تیغی سجادہ نشین خانقاہ آبادانیہ سرکانہی شریف کی مبارک سرپرستی میں ا؍ ربیع الآخر ۱۴۳۸ھ مطابق ۳۱؍ دسمبر ۲۰۱۶ء بروز سنیچر نہایت تزک واحتشام اور روایتی شان وشوکت کے ساتھ منایا گیا، جس میں ملک کے مختلف گوشوں سے زائرین نے حاضری دی اور سرکار سرکانہی سے اپنی عقیدت کا اظہار کیا۔ موسم کی بے رخی اور نوٹ بندی کی پریشانی کے باوجود لاکھوں دیوانوں کا جم غفیر دیکھا گیا۔ بعد مغرب سرکار سرکانہی کے قائم کردہ ادارہ مرکزی مدرسہ علیمیہ انوار العلوم کے نونہال طلبہ کا پروگرام منعقد ہوا جس میں طلبہ نے نعت ومنقبت اور تقریر کے ذریعہ اپنے جوہر بکھیرے، اس پروگرام کو علما اور عوام نے بغور سنا اور ان کی خاطر خواہ حوصلہ افزائی فرمائی۔

بعد نماز عشا پروگرام شروع ہوا جس میں ملک کے مشاہیر علما و شعرا اور مشائخ نے شرکت فرمائی، خصوصی خطاب ادیب شہیر حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی (استاذ جامعہ اشرفیہ مبارک پور، اعظم گڑھ) نے فرمایا۔ حضرت نے سرکار سرکانہی کی حیات وخدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے عوامِ اہلِ سنت پر ان کے احسانات کے قیمتی گوشوں کو اجاگر فرمایا اور سامعین کو نصیحت فرمائی کہ ہمیشہ سرکار سرکانہی کی تعلیمات کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں۔

پیرِ طریقت سراجِ عظمت حضرت علامہ الحاج الشاہ محمد علی براہیمی تیغی سجادہ نشین خانقاہ آبادانیہ سرکانہی شریف نے علما و عوام اہلِ سنت کو مخاطب فرماتے ہوئے اپنے فکر آمیز خطاب میں فرمایا کہ اپنے دل کو ہمیشہ ذاکر رکھو اور اللہ کے ولیوں سے عقیدت و محبت کا اظہار کرو، کیوں کہ اولیاء اللہ کی صحبت سے بگڑی ہوئی تقدیر سنور جاتی ہے، باطن ستھرا ہوجاتا ہے، مثال میں حضرت نے مولانا روم کا یہ مشہور ومعروف شعر پیش فرمایا۔

یک زمانہ صحبتِ با اولیا
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

حضرت کی باثر گفتگو سے سامعین محظوظ ہوئے۔

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات خصوصیت کے ساتھ شریکِ عرس ہوئے اور خطابات و تاثرات و دعائیہ کلمات اور منظوم خراجِ عقیدت پیش کیے۔ مولانا انتظار احمد قادری، مولانا ثاقب القادری مصباحی، قاری امیر اللہ محمدی ویشالوی، نور العین رضوی، افضل مظفرپوری، شاد مظفرپوری، نسیم لکھنوی، توقیر رضا اللہ آبادی اور ظفر بزمی نے نقابت کے فرائض بخوبی انجام دیے۔

جلسہ صلاۃ وسلام اور صدر جلسہ حضرت مولانا شاہ شاداب علی محمدی کی پر مغز دعاؤں پر اختتام پذیر ہوا۔

مالیگاؤں میں قبرستان کی حفاظت کے لیے احتجاجی اجلاس

مالیگاؤں کے بڑے قبرستان میں ہزاروں اسکوئر فٹ زمین پر موجود قبروں کو اکھاڑنے کی وجہ سے پیدا ہوئے تنازعے کے سلسلے میں سنی تنظیموں کی جانب سے منعقدہ احتجاجی اجلاس میں ہزاروں مسلمانوں نے شرکت کرتے ہوئے اپنے دکھ درد اور غم وغصے کا اظہار کیا۔ اس جلسہ عام کی صدارت آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کے صدر الحاج قاری زین العابدین رضوی نے کی جب کہ نظامت کے فرائض رضوی سلیم شہزاد نے انجام دیے۔

ابتدائی خطاب میں حافظ انیس الرحمان رضوی (خطیب وامام مسجد تاج الشریعہ) نے قبروں کی بے حرمتی پر سخت برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شہر کے مسلمان اس بات کے گواہ ہیں کہ قبروں کو کھود کر ہمارے شہر میں ایک نئے تنازعے اور فتنہ وفساد کو کن لوگوں نے جنم دیا ہے؟ غیر شرعی اور غیر قانونی حرکات کے مرتکب ٹرسٹیان پر جب تک سخت قانونی کاروائی نہیں کی جاتی تب تک شہر کا مسلمان پُرامن جمہوری احتجاج کرتا رہے گا۔ اس موقع پر رضا اکیڈمی کے رضوی سلیم شہزاد نے کہا کہ ایک غلطی کو چھپانے کے لیے ڈھیر ساری جھوٹی باتیں پھیلائی جارہی ہیں جو کہ افسوسناک امر ہے، موصوف نے کہا کہ قبرستان معاملے میں قبروں کی بے حرمتی کا انکار کرنے والوں کے جھوٹ اور بہتان تراشی کو پڑھنے اور سننے کے بعد یقین نہیں آتا کہ یہ ان کی زبان ہے جو اپنے آپ کو مساجد مدارس اور قبرستان کا امانت دار سمجھتے ہیں۔

مولانا عبد اللہ رضوی کی تلاوتِ کلامِ پاک سے شروع ہوئے اس اہم احتجاجی اجلاس میں شریک ہزارہا ہزار مسلمانوں کے مجمع سے خطاب کرتے ہوئے مالیگاؤں کے نوجوان عالمِ دین مفتی عرفان رضا مصباحی نے قبروں کو کھودنے اور ان کی بے حرمتی کرنے کی سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے کہا کہ مالیگاؤں شہر کے مسلمان بڑے قبرستان میں قبروں کو کھودنے اور قبروں کی بے حرمتی پر رنجیدہ ہیں۔ قبروں کی بے حرمتی کرنے والوں نے ہمارے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی ہے۔ آپ نے قرآن و حدیث اور فقہاے کرام کے حوالوں سے قبورِ مسلمین کی بے حرمتی اور قبرستان و مردوں کے حقوق بیان فرمائے۔ دورانِ گفتگو آپ نے فرمایا کہ اس شہر کے مسلمانوں کی غیرت ابھی زندہ ہے اور وہ قبروں کو اجاڑنے کی کسی بھی طرح کی غیر شرعی غیر قانونی اور غیر ذمہ دارانہ حرکت کو کبھی برداشت نہیں کرسکتے۔ اس موقع پر مشترکہ سنی تنظیم کے رکن

جاوید انور نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا آپ نے کہا کہ قبرستان کے نااہل اور ناکارہ ٹرسٹیوں کی وکالت کرتے ہوئے جو لوگ کہہ رہے ہیں کہ وہاں کوئی قبر نہیں تھی وہ کان کھول کر سن لیں کہ خاص اسی مقام پر میرے بھائی کی قبر موجود تھی جسے ہم نے ۱۹۷۳ میں یہاں دفن کیا تھا۔ آپ نے مزید کہا کہ صرف میرے ہی بھائی کی قبر کی کیا بات ٹنکی کا ٹھیکیدار خود اس بات کا اقرار اپنے فرضی انٹرویو میں کرتا نظر آرہا ہے کہ اُس کی بہن کی بھی قبر وہیں تھی۔ مالیگاؤں کی تاریخ کے حوالوں سے آپ نے مزید کہا کہ اس قبرستان میں اس سے قبل بھی قبروں کی بے حرمتی کی جسارت کی جاتی رہی ہے اور خود ان ہی کے مسلک کے علمانے اس کی مخالفت کی تھی۔ اسی طرح تعمیر وترقی پر مالیگاؤں شہر کے مسلمانوں کی مخالفت کے الزام کا جواب بھی آپ نے دیا اور کہا کہ سنی مسلمان شریعت میں جہاں کہیں مداخلت ہوگی وہاں سینہ تانے کھڑا ملے گا مگر بے جا مخالفت کبھی نہیں کرے گا۔

صلوۃ وسلام اور دعا کے بعد جلسہ کے اختتام کا اعلان کیا گیا اس موقع پر ہزاروں افراد نے جلسہ گاہ میں موجود اسٹال تک پہنچ کر دستخطی مہم میں شرکت کرتے ہوئے اپنے نام اور دستخط درج کروایا۔ اس موقع پر تمام مدارس ومساجد کے ائمہ حضرات علمائے کرام اور مفتیانِ عظام رونق اسٹیج تھے۔

از: سلیم شہزاد، مالیگاؤں rsshahzad@gmail.com

دار العلوم غوثیہ محمدیہ کی تعلیمی سرگرمیاں

الحمد للہ مدارسِ اسلامیہ قوم کی شہ رگ ہیں، دین کے قلعے اور مضبوط پناہ گاہ ہیں اور علمائے دین قوم کے محافظ و پاسبان اور ان کے قومی و ملی حقوق کے نگران وامین ہیں۔ سماج میں سرگرم رول نبھاتے اور سلگتے مسائل میں رہبری کرتے ہوئے ملت کو صحیح راہ دکھانے کے لیے اور طالبانِ علوم نبویہ کی تشنہ لبی کو دور کرنے کے لیے حضرت حافظ و قاری محمد ارشاد اشرفی اور محمد الیاس رحمانی صاحبان نے اپنے معاونین سے مشورہ کرکے دار العلوم غوثیہ مجیدیہ ۲۰۰۶ء میں شہر کالپی میں قائم فرمایا۔

۲۰۰۶ء سے اب تک دار العلوم غوثیہ مجیدیہ سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روحانی فیوض وبرکات سے نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔

دار العلوم غوثیہ مجیدیہ دو عظیم شخصیات کی جانب منسوب کیا گیا ہے، ایک سیدی سرکار غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جانب اور دوسرے حضرت حافظ و قاری عبد المجید نور اللہ مرقدہ کی جانب۔

حضرت حافظ و قاری عبد المجید علیہ الرحمہ بہت بڑے عابد و زاہد اور صوفی شخصیت کا نام ہے۔ شہر کالپی کے مشہور و معروف قاریوں میں سے ایک تھے، آپ نے بہت سے تلامذہ ایسے پیدا کیے جنھوں نے اپنی زندگی خدماتِ دین کے لیے وقف کردی اور حضرت خود اپنی زندگی کی ہر صبح وشام کو دین کے لیے وقف کردی تھی اور اخیر عمر میں آپ نے گوشہ نشینی اختیار فرمالیا اور ذکرِ الٰہی میں مصروف ہوگئے اور ذکرِ الٰہی کرتے کرتے دارِ فانی سے دارِ بقا کی جانب رخصت ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی قبر پر رحمت و نور کی بارش فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین۔

دار العلوم غوثیہ مجیدیہ اپنے قدم کو آگے بڑھاتے ہوئے بہت تیزی کے ساتھ آگے بڑھتا جارہا ہے اور یہ خوب صورت سلسلہ آج بھی جاری ہے، ادارہ ہذا میں تقریباً ۳۰۰ مقامی و بیرونی طلبہ اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں اور ہر سال گیارہویں شریف کے موقع پر جشنِ غوث الوریٰ منعقد ہوتا ہے اور اسی موقع سے دستار بندی بھی ہوتی ہے۔

ادارہ ہذا کا تعلیمی معیار مزید بلند کرنے کے لیے حضرت حافظ و قاری محمد ارشاد اشرفی، محمد وسیم سہاسد، محمد الیاس رحمانی، محمد ہارون برکاتی و جملہ اراکین ادارہ نے حضرت علامہ مولانا مبارک حسین مصباحی کی سرپرستی میں چلانے کا فیصلہ لیا ہے۔ جس وقت اس ادارہ کو قائم کیا گیا، اس وقت حضرت حافظ و قاری محمد ارشاد اشرفی کی عمر ۲۵ سال تھی۔ ظاہر ہے یہ عمر جوانی کا سب سے اہم پڑاؤ ہوتا ہے، اس عمر میں انسان گھر، مکان، دولت، جائداد، عیش و آرام اور زندگی کو بہتر بنانے والے اسباب کی تلاش میں رہتا ہے، مگر ارشاد اشرفی کے جذبے کو سلام کہ جس نے ابھرتی ہوئی جوانی میں عیش و طرب کے سامان نہیں تلاشے بلکہ اہلِ اسلام کے ایمان و عقیدہ کے تحفظ کی خاطر اپنے چین و سکون کو تج کر ملتِ اسلامیہ کی آبیاری فرمائی۔ از: محمد ساجد رضا نظامی گھوسوی

جامعہ اشرفیہ مبارکپور میں محبوب الاولیا
حضرت شاہ تیغ علی قادری سرکار سرکاہی شریف کا عرس

۳ر جنوری ۲۰۱۷ء مطابق ۴ر ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ بروز منگل طلبۂ جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے زیرِ اہتمام جامعہ کے عزیزی ہاسٹل میں، شیخ المشائخ سیدی سرکار تیغ علی قادری آبادانی علیہ الرحمۃ والرضوان کا عرس ہر سال کی طرح امسال بھی نہایت تزک واحتشام کے ساتھ منایا گیا۔ پروگرام کا آغاز بعد نمازِ عشا قاری صداقت حسین کی تلاوتِ قرآن پاک سے ہوا، اس کے بعد مداحانِ رسالت سراج عالم اور عارف اشرف مظفر پوری نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں نذرانۂ عقیدت و محبت پیش کیا۔ جب کہ حنیف رضا مظفر پوری نے اپنی مترنم آواز میں حضور تیغ علی شاہ علیہ الرحمہ کی بارگاہ میں منقبت کے اشعار پیش کرکے سامعین کو خوب محظوظ کیا۔ اس موقع پر مقررِ خصوصی کے طور پر آئے جامعہ اشرفیہ کے استاذ حضرت مولانا مفتی مبارک حسین مصباحی دام ظلہ العالی کو دعوت دی گئی۔ آپ نے انتہائی سکون سے پہلے عرس محبوب الاولیا شیخ طریقت حضرت شاہ تیغ علی قادری علیہ الرحمہ میں حاضری کی روداد سنائی، آپ نے حضرت کے فضائل و کمالات کے ضمن میں موجود سجادہ نشیں مرشد طریقت، سراجِ عظمت حضرت مولانا شاہ محمد علی براہیمی کے اخلاق اور بلند کردار وعمل پر روشنی ڈالی۔

آپ نے مزید فرمایا: صاحبِ عرس محبوب الاولیا نے سرکاہی شریف اور

موقع بہ موقع کولکاتا کی سرزمین پر رشد وہدایت کے تاریخی کارنامے انجام دیے۔ سرکانہی شریف مظفر پور کا دین ومذہب کے اعتبار سے انتہائی پس ماندہ علاقہ تھا مگر آپ نے اس آبادی کو علم وہدایت کا چمن زار بنا دیا، آج نہ صرف بہار بلکہ بنگال، مہاراشٹر، گجرات اور راجستھان وغیرہ تک کے لوگ وہاں آتے ہیں اور فیض و کرم کی بھیک لے کر لوٹتے ہیں۔

علمِ دین کے فروغ کے لیے آپ نے سرکانہی شریف خانقاہ آبادانیہ کے قریب مدرسہ علیمیہ انوار العلوم قائم فرمایا، اس کے بعد آپ کی سرپرستی میں دوسرا ادارہ مظفر پور کے بالکل متّصل دامودر پور میں انوار العلوم قائم فرمایا، دونوں ادارے بحسن وخوبی چل رہے ہیں۔

آپ نے قوم کی ہدایت ورہ نمائی کے لیے غریب اور نادار حضرات کے لیے بڑی خدمات انجام دی ہیں۔ غریب مریدین کے پاس اگر واپسی کے لیے کرایہ ختم ہو جاتا تو اپنی جیب سے عنایت فرما دیتے، اگر کوئی مسلمان بیمار ہو جاتا تو اس کے علاج کی رقم عنایت فرما دیتے۔ آپ سے صرف مریدین و متوسلین ہی وابستہ نہیں تھے بلکہ آپ اکابرِ اہلِ سنت سے بھی قلبی تعلق رکھتے تھے بڑی محبت فرماتے تھے، ان میں محدث اعظم ہند کچھوچھوی علیہ الرحمہ، مفسرِ قرآن حضرت صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ، ملک العلما حضرت مولانا ظفر الدین علیہ الرحمہ، جلالۃ العلم حافظ ملت حضرت علامہ شاہ عبد العزیز محدث مراد آبادی علیہ الرحمہ۔ حضرت حافظِ ملت نے پیرِ طریقت حضرت حافظ شاہ محمد حنیف قادری تیغی علیہ الرحمہ کی مشہور کتاب ”انوار قادری“ کی تقریظ اپنے قلم سے لکھی ہے۔ آپ نے اس میں لکھا ہے۔

”جامع شریعت و طریقت شیخ المشائخ محبوب الاولیا الحاج حضرت شاہ محمد تیغ علی صاحب قبلہ قدس سرہ العزیز ایک خدا رسیدہ اور بلند پایہ بزرگ تھے۔ چند فضائل و مناقب کے بعد آپ نے تحریر فرماتے ہیں۔ مجھے دوبار آپ کی ملاقات کا شرف حاصل ہوا، آپ کو باخدا بزرگ پایا۔ ایسے ہی بزرگوں سے خوارق عادات کا صدور کرامت ہے۔“

اس کے علاوہ انھوں نے داتا تیغ علی شاہ علیہ الرحمہ کی کئی کرامات بھی بیان فرمائیں، جن سے سامعین کے قلوب واذہان میں تازگی پیدا ہوگئی۔ موصوف کے علاوہ البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی علی گڑھ سے آئے مفتی عبد المصطفیٰ مصباحی نے تعلیم کے حوالے سے بڑا پر مغز خطاب کیا اور مفتی ظفریاب حلیمی مصباحی نے بھی داتا تیغ علی شاہ علیہ الرحمہ کی حیات و خدمات پر مختصر روشنی ڈالی۔ پروگرام کی صدارت مولانا مفتی مبارک حسین مصباحی نے فرمائی، جب کہ نظامت کے فرائض فیاض احمد متعلّم جامعہ اشرفیہ نے انجام دیے۔ اخیر میں حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی مدظلہ العالی کی پرسوز دعا پر محفل کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر جامعہ اشرفیہ کے استاذ مولانا محسن صاحب، مفتی اسرار الحق، مولانا ساجد الرحمٰن مصباحی، قاری ریاض الدین، ریحان رضا، اکرم نورانی، غلام ربانی، فیضان رضا، محمد مستقیم، احمد رضا، علی احمد اور شمیم رضا کے علاوہ طلبۂ اشرفیہ کی کثیر تعداد موجود تھی۔

از: محمد کلیم اشرف رضوی مظفر پوری
متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

(ص:۵۳ کا بقیہ).... کیا یہ نیا سال اپنی رعنائیوں کی جلوہ سامانیاں لائے گا؟ اور نوٹ بندی میں ہوئی اموات کو پھر سے زندگی بخش پائے گا؟ کیا نجیب حیدر کی ماں کو بحرِ غم سے نجات دلا پائے گا؟ کیا سرجیکل اسٹرائک میں مارے گئے بے گناہوں کو انصاف دلا سکے گا؟ کیا بیکلؔ اتساہی جیسے عظیم کہنہ مشق شاعر کو پھر سے حیاتِ جاوداں دے پائے گا؟ کیا یہ سال غنڈہ گردی کی فضا سے پاک ہوگا اور اس میں لڑکیاں خود کو محفوظ و مامون سمجھ پائیں گی؟ یار نے سسکتی ہوئی آواز میں کہا کہ ہم ہندوستان کے نئے سال کی بات نہیں کر رہے ہیں، بلکہ پوری دنیا کے نئے سال کی بات کر رہے ہیں۔ اگر دنیا کے نئے سال کی بات کی جائے تو تاریخ تنگ دامنی کا شکوہ کرنے لگے گی اور باتیں تام نہ ہو پائیں گی۔ ادھر ادھر نہ جا کر صرف پڑوسی ملک ہی کو دیکھ لیں، جہاں انسانیت دَم توڑ رہی ہے اور بندگانِ خدا سکون کے دو سجدے کرنے کو ترس رہے ہیں۔ جس ملک کا حال یہ ہے کہ بارود بم آسانی سے دستیاب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے جب چاہے جہاں چاہے بم دھماکہ کر دیتے ہیں ان میں نہ مسجد کا خیال ہے، نہ گھر کا پاس، نہ بچوں کی محبت نہ بوڑھوں کی رعایت، وہ اللہ کے ساتھ شرک ٹھہراتا تھا۔ نہیں معلوم کہ شرک کا لغوی معنیٰ ان کے نزدیک کیا ہے؟ کیا نعتِ نبی گنگنانا بھی شرک ہوتا ہے؟ مداحِ نبی مرحوم امجد علی صابری یہی تو پڑھتا تھا کہ ”جب وقت نزع آئے آقا مرے سامنے تم آجانا“ کیا ایسا کہنا اللہ کی نافرمانی ہے؟ چھوڑیے پاکستان کی بات، آئیے دوسرے پڑوسی ملک برما کی طرف جہاں جوان لڑکیوں کو شاہراہوں پر پٹرول چھڑک کر جلایا جا رہا ہے، پھر انٹرنیٹ پر اس وحشت ناک ویڈیو کو وائرل کر دیتے ہیں، تاکہ ظلم وستم کی فہرست میں ہمارا نام بھی آجائے۔ رہنے دیجیے پڑوسی ملک کو اگر آپ دنیا کے نئے سال کی بات کر رہے ہیں تو ذرا آنکھوں سے پردہ اٹھا کر دیکھیے ملک شام کے شب و روز کو۔ سنیے ایلن کردی کی سمندر میں گرنے والی آواز کو، دیکھیے معصوم بچے عمران کے خون سے لت پت جسم کو، یار نے کہا، بس کیجیے بھائی! بعدۂ راقم الحروف نے کہا کہ نیا سال اگر ہر ایک کی آنکھوں میں عشق نبی کا سرمہ، دل کو یادِ الٰہی کی دھڑکن، وجود کو عزم و ہمت اور قوت عمل کو معنویت عطا کر دے تو سمجھیے کہ نیا سال، نیا زمانہ مبارک ثابت ہوا ورنہ بے خواب آنکھوں، بے عمل وجود کے لیے نیا سال دیوار حیات سے ایک اینٹ اور کھینچ لیتا ہے۔

از: محمد کامل رضا، کٹیہار، متعلّم جامعہ اشرفیہ، مبارکپور